امریکی سازش یہ ہے کہ.... ایک انتہائی اہم رپورٹ

سچائی کا دامن نہ چھوڑنا

دہاب صدیقی

تم پر سلام

ہم تمہارے اس وقت تک ساتھ ہیں۔ جب تک تم حدیث نبوی "جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا اجہاد ہے۔" پر عمل پیرا ہوگے۔ ہم تمہارے اسوقت تک ساتھ ہیں جب تک تم موجودہ روش پر قائم ہو (خدا نہ کرے تم باطل کی طرف جھکو)

دہاب صدیقی! تم پر، حسین نقی تم پر، ناصر زیدی! تم پر، واحد بشیر! تم پر، ذوالفقار حیدری! تم پر ہمارا سلام کہ تم فرقہ پرستی، صوبائیت پرستی اور تعصب سے کافی دور ہو ہم تمہیں تنبیہ کر دینا چاہتے ہیں کہ سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہر خبر، رپورٹ سچائی پر مبنی ہونی چاہیئے ہمیں الفتح پر اعتبار ہے چاہے گولیمار کا فساد ہو یا چیئرمین بھٹو کا مقدمہ ہمیں ہر جگہ سچائی نظر آتی ہے اور یہ الفتح کی عظمت کی اعلیٰ مثال ہے۔

حق کی راہ پر تمہارے ساتھ

سید ندیم حیدر نقوی

چیئرمین پاک امروہہ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی

محترم مدیر صاحب!

ہمیں آپ کی دیانت داری پر یقین ہے کہ آپ یہ خط شائع کریں گے۔

بھٹو کے لئے خون کی پیش کش

سنا ہے کہ چیئرمین بھٹو کو خون کی ضرورت ہے۔ اگر خدانخواستہ ہمارے ہر دلعزیز رہنما کو خون کی ضرورت ہے تو خدا کے واسطے سب پہلے یہ شرف مجھے بخشا جائے۔ میں چیئرمین بھٹو کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا۔ ہفت روزہ پربھات کے توسط سے اپیل کرتا ہوں کہ جب بھی ضرورت پڑے میں حاضر ہوں۔ میری جان! میرے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ حاضر ہے۔

عبدالرزاق خاصخیلی

تھرپارکر سندھ

مہنگائی ختم کرو

مزدور رابطہ کمیٹی سکھر ڈویژن نے مطالبہ کیا ہے کہ لاڑکانہ کے مزدوروں کے تسلیم شدہ مطالبات پورے کئے جائیں الائیڈ ٹیکسٹائل ملز لاڑکانہ کو فوراً کھولا جائے۔ مزدوروں کے بقایا جات ادا کئے جائیں اور ہائی ویز ڈیپارٹمنٹ کے مزدوروں کو مستقل کیا جائے۔ اجلاس میں منظور کی جانے والی قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ ہڑتال کا حق غیر مشروط طور پر بحال کیا جائے۔ ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے پابندی ہٹائی جائے۔ گرفتار شدہ مزدوروں، طلبہ، کسانوں، سیاسی رہنماؤں کارکنوں اور صحافیوں کو رہا کیا جائے۔ مہنگائی کا خاتمہ کیا جائے۔ ملتان اور رپٹ فیڈر کے محنت کشوں اور کسانوں کے قاتلوں کو سرعام پھانسی دی جائے۔ صحافیوں کے آٹھ نکاتی مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ اس اجلاس میں رابطہ کمیٹی سکھر کے انتخابات بھی عمل میں آئے۔ اللہ بچایو بھٹو چیئرمین، عبدالقادر وائس چیئرمین، عبدالعزیز عباسی صدر، نظام بلوچ نائب صدر، مولا بخش جنرل سکریٹری منظور احمد ڈپٹی سکریٹری جنرل۔ امان اللہ بھٹو ایڈیشنل سکریٹری، اقبال آزاد خازن اور فیض گھانگھرو سکریٹری نشرواشاعت منتخب کئے گئے۔

فیض گھانگھرو

سکریٹری نشرواشاعت

قومی اتحاد کا مقدس لبادہ اُتر چکا ہے

ہفت روزہ پربھات پڑھا۔ آپ کی کاوش لائق تحسین ہے۔ بے باک اور سچی پالیسی کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے ویسے تو آج کل سرمایہ داروں کے اخبارات و رسائل ٹوڈی حضرات کی تعریف میں ڈھول پیٹتے پھرتے ہیں جن کے بارے میں اب نئی نسل بھی آشنا ہو چکی ہے جس کا نتیجہ سندھ یونیورسٹی کے انتخابات ہیں۔ ان کا پول کھل چکا ہے جوان مفاد پرستوں نے قوم کو قومی اتحاد اور نظام مصطفےٰ کا لبادہ اوڑھ کر جکڑ دیا پھر انتخابات کا ڈھونگ رچایا۔ یہی مفاد پرست اب وزارتوں کے قلمدان کے لئے اسلام آباد کے چکر کاٹتے نظر آتے ہیں۔ قومی اتحاد کے ان بہروپیوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے قائداعظم بلکہ قیام پاکستان کی بھی شدت سے مخالفت کی اور اب قومی اتحاد اور نظام مصطفےٰ کے نام پر ملک میں نفرت کا بیج بو یا مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل کروایا۔ اگر بھٹو قصوری کے والد کا قاتل ہو سکتا ہے تو انکو بھی حساب دینا ہوگا۔ انہوں نے ہی قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ ان کا کعبہ سے نہیں بلکہ امریکہ سے لگاؤ ہے۔ اس کی خاطر دن رات کام کرتے ہیں اور امریکی ڈوری پر محو رقص ہیں وہ امریکہ جو پاکستان کو ایٹمی پلانٹ دینے کی سب سے زیادہ مخالفت کر رہا ہے۔ میری اپنے پاکستانی بھائیوں سے اپیل ہے کہ ابھی وقت ہے کہ وہ اپنے اختلافات جوان بہروپیوں نے ہمارے دلوں میں ڈال رکھے ختم کر دیں اور متحد ہو کر ملک اور قوم کے لئے کام کریں اور جمہوریت بحال کرانے کے لیے آگے بڑھیں۔

خواجہ عبدالحمید الاحام

سعودی عرب

سوتی پارچہ بافی کا اسکینڈل

وفاقی وزیر مسٹر زاہد سرفراز کا تازہ بیان پڑھ کر کہ ٹیکسٹائل ملز کی مشینری نیلام کر دی جائے گی اور مالکان ملز سے سرکاری بینکوں کی بقیہ رقم وصول کر لی جائے گی "کیا بغیر مقدمہ چلائے"؟ - چشم بددور چالیس سالہ نوخیز وزیر انڈسٹری ہی نہیں بلکہ قانون کی ابجد سے بھی ناواقف ہیں۔ بیان بازی کے شوق میں عوام کو ناخواندہ سمجھ کر بیان داغ دیا کہ ہم اس شان سے بیک جنبش قلم مل اونرز سے بینکوں کے واجبات فوراً وصول کریں گے۔ بھولے عوام خوش ہوں گے کہ اب سیٹھ لوگ ہماری طرح غریب ہو جائیں گے اور لمبی لمبی کاروں میں سفر کرنے کی بجائے ہماری طرح بسوں میں لٹک کر وزیر صاحب سے ملاقات کرنے جایا کریں گے۔ عزت مآب وزیر صاحب نے تو ذرا سے پھیر سے درحقیقت کچھ فیصلہ کیا ہے جو مل مالکان کی خواہش ہے کہ اب نئی مشین امپورٹ کی جائیں کم از کم ایک صد کروڑ کے زرمبادلہ کا سودا ہو انڈر انوائسنگ سے اور انوائسنگ کا چکر مکر چالو ہو جائے۔ غور طلب حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی ٹیکسٹائل ملز کی مشینری کثرت استعمال کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں۔ جو قطعی ناکارہ ہو گئی ہیں اور مثل اسکریپ ہیں۔ ٹیکسٹائل ملز کی مشینری کئی سال سے بے کار پڑی ہیں۔ ان کی ضروری صفائی اور گولیزنگ نہیں کی گئی۔ ان کی صفائی کی جائے اور جو پرزے (پارٹس) درحقیقت بیکار ہو گئے ہیں ان کی جگہ نئے پارٹس پاکستان میں فوری طور پر بنائے جا سکتے ہیں کہ جو اور بجنل کے مقابل ہونگے کال ایک کروڑ روپے کی صرفہ سے ۸۰ فیصد ملز پوری رفتار سے چالو ہو جائیں گے ضروری پارٹس کراچی، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں بہترین تیار ہو جائیں گے۔ جس مشینری کو ورلڈ بینک کے ایڈوائزر ۵۰ لاکھ روپے زرمبادلہ میں بمشکل فیس وصول کرنے کے بعد ناکارہ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں وہی مشین پاکستانی ٹیکنیشن صرف ایک کروڑ پاکستانی روپے کی لاگت سے دوبارہ نئی کر کے چالو کر دیں گے۔ پاکستانی ٹیکسٹائل ملز کی تمام مشینری ریکنڈیشن اسی ملک کے کاریگر کر دیں گے کیا آج پاکستان میں شکر فیکٹری، ماچس فیکٹری کی مکمل مشینری بنائی جا رہی ہے مکمل جہاز ہم نے ایران اور خلیج کی ریاستوں کے ہاتھ فروخت کئے ہیں۔ بہترین انڈسٹریل اور میرین انجن پیٹرول اور ڈیزل سے ہی نہیں بلکہ لکویڈ پیٹرول گیس سے چلنے والے بھی ہم بنا رہے ہیں۔ سینما کی نازک مشینری پروجیکٹرز اور ٹی وی اور موویز کے کیمرے بھی آج تک کے اے ون سینماؤں اور اسٹوڈیوز میں بحسن خوبی چل رہے ہیں۔ جو امپورٹڈ کے مقابلہ میں پائیدار اور ارزاں ثابت ہوئے ہیں ان کا ہر پارٹ پاکستان میں فوری دستیاب ہے۔ ٹیکسٹائل ملز کی مشینری غریب کنزیومر عوام اور مزدوروں کے خون پسینہ کا اثاثہ ہے خدارا اس قومی دولت کو شوق گفتار میں برباد کیجیئے پاکستانی کاریگر اب اتنا ماہر ہے کہ وہ تو پارٹ بنانے سے قبل یہ فیصلہ کرتا ہے کہ یہ پرزہ زائد بہتر کارکردگی اور دیرپا کس الائے۔ مرکب دھات سے بنایا جائے۔ یہ سب کام چھوٹے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کے ساتھ مل کر انجام دیتے ہیں عزیز من یہ طریقہ ہے جس سے ملک کے کاریگر، مزدور اور کم تعلیم یافتہ طبقہ کو برسر روزگار کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ایم اے لطیف فاروقی

(اکانومسٹ) کراچی

هفت روزہ

پربھات

نواب شاہ

•

چیف ایڈیٹر: عبدالفتاح ابڑو

•

جلد: ۸ شمارہ: ۲۵

۱۸۔ اگست ۱۹۷۸ء

قیمت ۴ روپے

دفترِ رابطہ

مطبوعات

۶۹-۵، ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس، کراچی — ۲۹

فون: ۴۳۲۲۷۴

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

قائم مقام ایڈیٹر
راشد بشیر

کالم نگار
حسین نقی

وقائع نویس
شبیہ الحسن

انتظامی امور
حاجی عدیل

خاص مضامین

سرورق
سعید الدین حسین

اسلام آباد
ذوالفقار حیدری

صوبائی نمائندے

سندھ مقیم حیدرآباد
احسان عظیم

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
امان اللہ جبک

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

تھرپارکر
محبوب احمد

خیرپور، سکھر
جیکب آباد لاڑکانہ
کامران ابڑو

سانگھڑ
ایاز سندھی

ٹنڈو الہ یار
کامل سومرو

ملتان
ناصر زیدی

فیصل آباد
طارق سعید
گوجرانوالہ
محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ
غیاث الدین جانباز
سرگودھا
الطاف چغتائی
دھاڑے
احسان ملک
گوادر
سلیمان شیروف
میانوالی
روشن ملک
آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

غیر ممالک

پیکنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاہد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دوبئی
غلام جیلانی

پبلشر
عبدالفتاح ابڑو
مقام اشاعت
دفتر ہفت روزہ
پربھات، کچہری روڈ، نوابشاہ

پرنٹر
سید ناصر علی
مطبع
یورپ پرنٹنگ پریس کراچی

سنو! اس سے پہلے کہ تم سننے کے قابل نہ رہو

آج ۱۴ اگست ۱۹۷۸ء کا سورج طلوع ہوا ہے ۔ برطانوی سامراجی حکومت کے براہِ راست شکنجے سے آزادی کے بتیسویں سال کا پہلا دن ۔ آج بھی خبروں کی اشاعت کے معاملے میں اخبارات دو حصوں میں تقسیم ہیں ۔ ایک وہ حصہ جو روایتی بلی کی طرح آنکھیں بند کر کے دودھ پیتا ہے اور اس فریب میں مبتلا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا ۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس اور مارشل لاء احکام اور ضوابط کی تمام تر جکڑبندیوں کے باوجود اپنی استطاعت کے مطابق حقائق و واقعات کو لفظوں اور تصویروں کی شکل میں پیش کر رہا ہے ۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ موجودہ حکومت سے پہلے کسی نے واضح طور پر چادر اور چہار دیواری کی حفاظت کا ایسا حتمی وعدہ نہیں کیا تھا ۔ اسی طرح حقیقت پسندی کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بات بلا کسی جھجک کے کہی جائے کہ صرف آج کی خبریں پڑھ کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن فخریہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں بھی چادر اور چہار دیواری کی یوں بے حرمتی نہیں کی گئی تھی ۔ اس صورتِ حال پر صرف نفیس خلیلی کا ایک بہت پرانا شعر دہرایا جا سکتا ہے ۔

دیکھتا ہے کیا مرے منہ کی طرف
قائداعظم کا پاکستان دیکھ

آج ہی صبح صبح پانچ سالہ شازیہ نے راقم الحروف سے اصرار کیا کہ وہ اس کے ساتھ کھیلے ۔ بال ہٹ کے آگے جھکنا پڑا ۔ اس نے کہا ایک سے دس تک کے اعداد میں سے کوئی ایک عدد بطور رقم تصوّر کروں ۔ اتنے ہی روپے اماں سے لوں ۔ اور پھر پانچ روپے اس کے اپنے شامل کروں ۔ آدھی رقم فقیر کو دے دوں ۔ اماں کے پیسے انہیں لوٹا دوں ۔ اور اب اس کے پانچ روپے اسے واپس کر دوں ۔ مگر میرے پلّے تو صرف ڈھائی بچے تھے ۔ نہ جانے کیوں مجھے اس بچّی میں امریکی گندم کے اثرات نظر آئے ۔ جو ایسٹ پاکستان کو بنگلہ دیش بنوانے کے بعد سارے قرضے مع سود طلب کرنے کے ساتھ ساتھ حرجانہ مکمل اطاعت کی صورت میں وصول کرنے پر مصر ہے ۔

اکتیس سالہ ماضی پر نظر ڈالئے تو معمولی ردّ و بدل کے ساتھ ایک تسلسل نظر آتا ہے ۔ ایسا تسلسل جسے اگر کوئی نام دیا جا سکے تو محاورۃً "پیغمبری وقت" ہی کہا جا سکتا ہے ۔

آج سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے والے لوگوں پر جیسے یہ ذمّہ داری آن پڑی ہے کہ جو لوگ آنکھیں رکھتے ہوئے دیکھنے سے منکر ہیں انہیں دیکھنے پر مجبور کریں ۔ جو لوگ کان رکھتے ہوئے بھی سننے سے عاری ہیں ۔ انہیں حرفِ حق سننے پر مجبور کیا جائے ۔ جو لوگ دماغ سے سوچنے کا کام لینا بھول گئے ہیں انہیں مثبت سوچ کی راہیں دکھائی جائیں ۔ ہم اس بات کے مدّعی نہیں کہ ہم یہ فرائض انجام دے رہے ہیں ۔ اس لئے کہ قرطاس و قلم اس حد تک پابند ہیں کہ آزادیٔ صحافت کے حصول کے لئے پیٹھیں کوڑوں کے لئے اور ہاتھ پاؤں زنجیروں کے لئے پیش کرنے پڑ رہے ہیں ۔ ہم مطمئن نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ ہم اپنا فرض اپنی تمنّا کے مطابق انجام نہیں دے پا رہے ۔ لیکن ہم شرمسار نہیں اس لئے کہ ہم کاہلی اور غفلت کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں ۔ ہم خود کو طاقت ور اس لئے محسوس کرتے ہیں ہماری آواز حق و صداقت کی ہم سفر ہے اور بدترین مخالف بھی ہمارے مطالبات کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے ۔ عوامی پسند ناپسند کا دباؤ یقیناً ایسا ہی طاقتور ہے ۔

تاریخ کے سفر میں شخصیتیں گردِ سفر ہیں ۔ اصول اور اجتماع ہی قائم و دائم ہیں ۔ ضروریاتِ زندگی، ایجاد و اختراع فن و ثقافت کی تخلیق کرنے والے ہاتھ ہی اصل دستِ تاریخ ساز ہیں انہیں قطع کرنا کسی کے ۔ کسی کے بھی بس کی بات نہیں ۔

ایک دوسرے کا خون بہانے کی سازش

میاں طفیل کے بیانات کا پوری فوج نوٹس لے!

میری نظر میں اب اس بحث کی کہ کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے گنجائش باقی نہیں رہی۔ جو ہو رہا ہے ہمارے سامنے ہے۔ جماعت اسلامی کے امیر کی نظر میں جماعتی مسلمانوں پر، اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں ہم محض "نسلی مسلمان" ہیں، فرض ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کی تعمیل کرائیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ساری دنیا کے لئے جماعتی مسلمانوں کی حیثیت اللہ کے "پولیس مین" کی ہے۔ ایک "پولیس مین" تو وہ ہوتے ہیں جن سے ہمارا سابقہ اکثر و بیشتر سڑکوں گلیوں پر پڑتا ہے اور ان کے متعلق ہماری آپ کی رائے ایک ہے، اس کا تذکرہ وقت ضائع کرتا ہے۔ دوسرا "پولیس مین" بین الاقوامی سطح پر دوسری جنگ عظیم کے بعد سے امریکی سامراج کو کہا جاتا رہا تا وقتیکہ ویت نامیوں نے باہر سے اور امریکی حریت پسندوں نے اندر سے اس کو قابو کیا، بڑی حد تک، اب یہ پولیس مین باوجود خواہش کے اللہ کے بندوں کو اس قدر تنگ نہیں کر پاتا۔

ہم چونکہ اس فاشسٹ فلسفے میں یقین نہیں رکھتے کہ مسلمان اللہ کی جانب سے اس کے بندوں کے لئے "پولیس کے آدمی" کی حیثیت رکھتے ہیں اور کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ اسلام کی ترقی اور فروغ میں جارحیت اور تلوار کے بجائے ہمارے یعنی میرے اور مولانا مودودی کے بزرگوں کی قربانیوں کا دخل ہے، اور رسول اکرمؐ کے حسنِ سلوک، غریبوں، بیماروں، حتیٰ کہ دشمنوں کی دادرسی اور انسانی حقوق کی پاسداری اور اس کی عملی مثالوں کا لہٰذا ہم ان "پولیس کے آدمیوں" کا یہ دعویٰ اتنا ہی بوگس اور جعلی سمجھتے ہیں۔ جتنا کہ متروکہ جائیداد کے بوگس کلیم۔ ہم دین میں دھونس، دھاندلی اور زبردستی کو بے دینی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی دیدہ دلیرانہ عدول حکمی خیال کرتے ہیں۔ اسلامی ملّت کا سوادِ اعظم اس ضمن میں ہمارا طرفدار ہے۔

ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت کو فوج کے تمام ذمّہ داران کو فرداً فرداً اور مشترکہ طور پر میاں طفیل محمد کی ان بد حواسیوں کو لگام دینی چاہیئے۔ مسلمان کبھی بھی دنیا کے "پولیس مین" نہیں بننا چاہتے وہ امن اور آشتی کے طرفدار ہیں۔ وہ انسانوں کے درمیان ہر قسم کی تفریق کو لعنت سمجھتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف تقویٰ یعنی اللہ کے بندوں کی دادرسی اور خدمت اور اپنے فرائض کی ادائیگی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور صرف اور صرف دفاعی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔

ہماری یادداشت میں ۱۹۶۹ء کے جماعت اسلامی کے تمام نعرے موجود ہیں۔ انتخابات میں پہلے اور آئندہ بھی جماعت اسلامی کا حشر ہمیں معلوم ہے۔ جن چند سو افسروں، چند ہزار متفقین کو میاں طفیل محمد دہشت گردی کے لئے بھڑکا رہے ہیں انہیں بھی خوب غور کر کے کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ ہم پاکستان میں ہر اس سازش کو پاکستان کے وجود کے خلاف سازش سمجھتے ہیں جس میں ایک پاکستانی دوسرے پاکستانی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون بہائے لہٰذا ہم ان سے جنہوں نے حکمرانی کی ذمّہ داریاں از خود اپنے ذمّہ لی ہیں۔ ذمہ داریاں پوری کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چونکہ ذمّہ داریاں ساری فوج بلکہ افواجِ پاکستان اور پاکستان کی سالمیت کے نام پر لی گئی ہیں لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ ساری فوج اور افواج پاکستان کو میاں طفیل کے بیانات اور ارادوں کا نوٹس لینا چاہیئے اور جو عناصر ان کی ہمت افزائی اور پشت پناہی کر رہے ہیں ان کا بھی۔ ہماری نظر میں بچے کھچے پاکستان کا وجود پاکستان میں بسنے والے ہر فرد کے حق میں ہے۔ اس وجود کو جارحانہ رویّہ اختیار کرنے سے خطرہ لاحق ہے۔

ہمارے وجود میں آنے سے اب تک افتراق پیدا کرو اور حکومت کرو کی حکمت عملی کا نتیجہ ہم ۱۹۷۱ء میں دیکھ چکے ہیں دوسری مرتبہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے اور یہ اُن حلقوں کو زیادہ غور سے سوچنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے جن کی تمام فراغت، تمام خوشحالی، تمام ترقی، تمام عہدے، تمام اثاثے، تمام جائیداد پاکستان اور محض پاکستان کے وجود میں آنے کے مرہونِ منّت ہیں۔ یقین کیجئے عوام تنگدستی سے، مہنگائی سے، منافع خوروں کی لوٹ مار سے، فصلوں کی تباہی سے، بارش اور سیلاب کے نقصانات سے پہلے ہی بہت تنگ ہیں۔ کوئی "پولیس مین" ان کے صبر اور ضبط کو اور زیادہ آزمانے کی کوشش نہ کرے۔ کم از کم سفید پوشوں کو اس آگ سے کھیلنے سے پرہیز کرنا ہوگا۔ اخبار نویسی کا فریضہ بلکہ قرض ہے کہ وہ آنے والے خطرات سے، خدشات سے پہلے آگاہی فراہم کرے۔ ہم اسے مولانا جالندھری بلوچ کی دوستانہ تنبیہہ کے باوجود ادا کرتے ہیں کہ سعودی اخبار الندوہ، جو میاں طفیل صاحب کی جماعت کا طرفدار ہے، بھی یہ جانتا ہے کہ تاریخ اچھے اور برے کاموں اور بیانات کی قابلِ اعتماد مبصّر ہے، وہ آئندہ کے انسانوں کے لئے تنبیہہ اور سبق بنتی ہے۔ ۱۹۷۱ء کی تنبیہہ اور اس کا سبق یاد رکھنا چاہیئے۔

ہم لکھ رہے ہیں کہ تاریخ یہ نہ کہے کہ پاکستان کے رجعت پسند تو کور بینی کا شکار ہیں یہاں کے ترقی پسندوں کو کیا ہو گیا تھا۔ اس لئے ہم نے ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء اور آج تک تمام حکمرانوں کو متنبہ ضرور کیا ہے کہ پاکستان ہمارا اپنا پسند کیا ہوا وطن ہے، ہماری بھی آئندہ نسلوں کا مستقبل اس سے وابستہ ہماری ذاتی امیدیں اور تمنائیں بھی۔ ہم وطن سے محبت

واقعی ایمان کی نشانی مانتے ہیں۔ اور ایمان کے نام پر بے ایمانیوں کو فروغ دینے کی مزاحمت ہمارا فرض ہے اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ پاکستان میں بسنے والے تمام قوم پرست، تمام محب وطن (اور ہم غداروں کو بھی محبت اور پیار سے، بھائی چارے اور برادرانہ سلوک سے، گولیوں سے نہیں، تیغ و تفنگ سے نہیں، جارحیت سے بھی نہیں، محب وطن اور قوم پرست بنانا چاہتے ہیں) تمام زبانیں بولنے والے، تمام ثقافتوں کے وارث، تمام باشعور محنت کش اور اپنے ہاتھوں سے روزی کمانے والے، تمام جمہوریت پسند زبانی نہیں عملاً) تمام ترقی پسندوں اتحاد اور یگانگت، بھائی چارہ کی کوشش کریں۔ اپنی مدافعت، اپنے روزگار کی مدافعت، اپنی ثقافت اپنی تہذیب کا تحفظ ہمارا نہ صرف قانونی حق ہے بلکہ فرض بھی اور اس فریضہ کو پورا کرنا ہماری ضرورت بھی۔ کہ اگر جارحیت کے خنجر کھل رہے ہیں اگر تشدد کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، اگر مفاہمت کا راستہ بند کیا جا رہا ہے اگر آزادانہ، جمہوری، انتخابی مسابقت کے بجائے جبر اور ظلم کا بازار گرم کرنے کی سازش ہو رہی ہے تو اپنا دفاع کرنا ہمارا حق ہے۔ اور ہم اس حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ اس حق کو ہمارا مذہب اور دین بھی تسلیم کرتا ہے اور بیسویں صدی کا ہر انسان دوست نظریہ اور فلسفۂ حیات بھی۔ حکمران طبقوں کو بھی سوچ لینا چاہیئے اور ان کے تحفظ کی خاطر ان کی نمائندگی کے لئے بے چین، حکومت میں شمولیت کے خواہش مند تمام حضرات کو مشترکہ طور پر بھی اور فرداً فرداً بھی کہ مفاہمت اور آزادانہ جمہوری مسابقت کا راستہ ہی ان کی بھی بقا اور فلاح کا راستہ ہے۔ ساری دنیا کی اور خود ہماری تاریخ شاہد ہے کہ آزادی کے لئے اپنے حق کے حصول کے لئے جو سب سے زیادہ قربانیاں دیتے ہیں وہ غریب اور محنت کش ہی ہوتے ہیں۔

اسی ہفتہ ہم نے ۴۱ واں یوم آزادی منایا ہے، قائداعظم نے بھی اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ اُن کی حوصلہ افزائی ان چند آنے کے چندوں اور ان خطوط سے ہی زیادہ ہوتی اور اس کو ہی وہ سب سے زیادہ اہم خیال کرتے تھے جنہوں نے لکھا تھا ہم غریب ہیں۔ زیادہ چندہ نہیں دے سکتے لیکن جب وقت آئے گا، آپ دیکھ لیں گے کہ ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ کیا ایسا نہیں ہوا؟ ایسا ہی ہوا۔ جب ہی پاکستان بن سکا۔ قائم بھی ایسے ہی رہ سکتا ہے، رہے گا!

ورق

لندن میں کھر چشتی ملاقات

خصوصی رپورٹ

سیاسی مبصرین لندن میں کھر چشتی ملاقات کو مختلف معنی پہنا رہے ہیں۔ کھر کا بیان ہے کہ انہوں نے جنرل چشتی کی خواہش پر دو ملاقاتیں کیں۔ جن میں مسٹر بھٹو سمیت دیگر سیاسی معاملات پر مذاکرات ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ سیاست میں مذاکرات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ اور شاید مذاکرات کا تیسرا دور پاکستان میں ہو۔

دوسری جانب جنرل چشتی نے کہا کہ یہ ملاقاتیں کھر کی خواہش پر ہوئی ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے ایک اہم بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ کھر کو ثابت کرنا ہو گا کہ وہ پیپلز پارٹی کے حقیقی نمائندے ہیں۔ اور انہیں لندن کی بجائے پاکستان آنا چاہیئے۔

لندن میں مقیم نمائندہ پربھات کی اطلاعات کے مطابق کھر اور چشتی کی ملاقاتیں طے شدہ تھیں۔ اور یہ محض حقائق کو الجھانے کے لئے گیند ادھر اُدھر اچھالی جا رہی ہے۔ دونوں حضرات کے درمیان ہونے والی نجی اور طویل ملاقاتوں میں مسٹر بھٹو کے سیاسی مستقبل پیپلز پارٹی کی قیادت اور دیگر سیاسی امور پر جو بات چیت ہوئی ہے اس میں مسٹر کھر نے بھٹو کے اصولی موقف کی سرگرم حمایت کرنے کی بجائے بساطِ سیاست پر "محفوظ مُہرے" کی حیثیت سے ہدایات حاصل کیں۔

ادھر سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ مسٹر کھر کو بھٹو کا ہمدرد ظاہر کر کے لندن ڈسپیچ کیا گیا تھا تاکہ وہاں مسٹر بھٹو کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں، جلسوں اور جلوسوں کو اپنے زیر اثر رکھا جائے۔ اور اس حیثیت میں وہ اپنا امیج بھی بنائیں۔ تاکہ بعد کے حالات میں وہ حقیقی پیپلز پارٹی کی قیادت پر آسانی سے قبضہ جما سکیں۔ مبصرین اپنے اس خیال کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں جب کہ مسٹر بھٹو سمیت ان کے رفقاء مقدمات کی زد پر ہیں کھر کا بلا روک ٹوک لندن پہنچ جانا کسی "معجزے" سے کم نہیں ہے۔

مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ پی پی کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد منظور کی تھی جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ فوجی حکومت جب تک انتخابات کا اعلان نہیں کرتی، اس وقت تک پیپلز پارٹی کا کوئی نمائندہ حکومت سے کسی قسم کی بات چیت نہیں کرے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسٹر کھر نے کس حیثیت اور کس کی اجازت سے جنرل چشتی سے ملاقات کی۔ اور کیا وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ ہدایات اور "لائن" کے مطابق اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

نمائندہ پربھات کے مطابق لندن میں کھر چشتی ملاقات نے پیپلز پارٹی کے ہمدردوں پر اچھا اثر نہیں ڈالا ہے اور ان پر شدید جھنجلاہٹ طاری ہے لندن میں مقیم پاکستانیوں کی اکثریت پی پی کی ہمدرد ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کی حمایت میں جو ٹمپو بن گیا ہے۔ کھر چشتی ملاقات کے ذریعے اسے بے اثر بنانے کی سازش کی جا رہی ہے۔

فلسطینی شہدا کی نماز جنازہ میں حکومت کا کوئی نمائندہ نہ تھا!
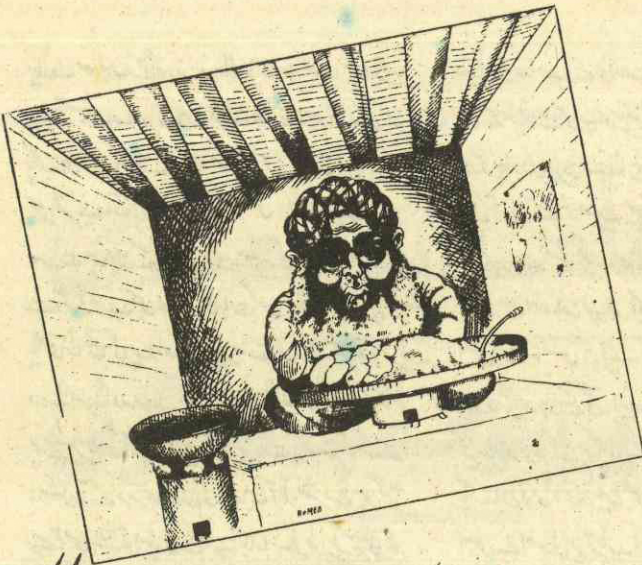
کوثر نیازی نے برخورداروں، نور چشموں اور راحت جانوں کے جھرمٹ میں پریس کانفرنس کی

اسلام آباد

ایسا ممکن نہیں جو چاہتے ہو وہ نہیں ہوگا

فوجی حکومت میں سویلین کی شرکت سے مارشل لاء کی مدت بڑھ گئی

ذوالفقار حیدری

پاکستان قومی اتحاد نے جمہوریت کے فروغ، آزادی تحریر و تقریر، دھاندلیوں کے خلاف بطور احتجاج اور اصولوں کی بالادستی کی خاطر مارشل لاء حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور اس تعاون کے مزید اظہار کے لئے مارشل لاء حکام کو مزید ڈیڑھ سال تک کسی بھی روک ٹوک کے بغیر ملک پر قومی اتحاد کے تعاون سے حکومت کرنے کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا ہے پاکستان قومی اتحاد نے مارچ ۷۷ء کے انتخابات میں مبینہ دھاندلیوں کے خلاف تحریک شروع کی جو بعد ازاں مبینہ طور پر ایک غیر ملکی طاقت کے اشارے پر زور پکڑتی گئی اور اتحاد کی جانب سے قومی اسمبلی کی ۱۸ نشستوں پر دھاندلی کا الزام پھیل کر تمام انتخابات پر چسپاں ہوگیا۔ تحریک طویل ہوتی گئی اور بالآخر جنرل ضیاء الحق اور ساتھیوں کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی منتخب حکومت کو برطرف کر کے اقتدار میں آنا پڑا۔ ایک سال سے زیادہ مدت تک بلاشرکت غیرے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنے رہنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ پاکستان قومی اتحاد کو بھی شریک اقتدار کر ہی لیا جائے۔ جس سیاست کی داغ بیل جنرل ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۷۷ء کو ڈالی تھی اس میں یوم استقلال پاکستان کے موقع پر مزید اضافے کئے جا رہے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر سمجھا جا رہا ہے۔ صوبائی وزارتوں کی تشکیل اور وفاقی کابینہ میں پاکستان قومی اتحاد کے نمائندوں کی شرکت ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ابھی سے رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ہمارے دوست خان اعظم خان عبدالقیوم خان عرف ڈبل بیرل خان نے اس بات پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے ان کے کسی بھی ساتھی کو وفاقی کابینہ میں شامل نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ان کی اس سلسلے میں بڑی زبردست خدمات ہیں۔ انہوں نے اس احتجاجی خط کے ہمراہ مجوزہ صوبائی حکومتوں اور مارشل لاء

کابینہ میں توسیع کے موقع پر اپنے ایک نمائندے کی شرکت کی تجویز پیش کی ہے۔ خان عبدالقیوم خان اس ملک میں دھاندلیوں اور انتخابات میں کمالات دکھانے کے جدِ امجد ہیں۔ انہوں نے سرحد کے انتخابات میں جس طرح جھرلو چلایا وہ سب کے سامنے ہے یوں بھی اپوزیشن ان کے مزاج کو موافق نہیں آتی۔ وہ ہر قیمت پر اقتدار کے ایوان میں رہنا چاہتے ہیں چاہے اس کے لئے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس کے علاوہ این ڈی پی کے سربراہ سردار شیر باز خان مزاری نے اپنے بیانات سے واضح کر دیا ہے کہ ان کی جماعت اتحاد کے ساتھ اقتدار میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہے۔ ان کے اس بیان سے پاکستان قومی اتحاد کی اپنی حیثیت بھی مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔ نو جماعتوں کا اتحاد آخر میں گیارہ گیا ہے۔ ہماری پیش گوئی پوری ہو رہی ہے کہ قومی اتحاد نے جس روز بھی اقتدار میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا اُس کا تیا پانچہ ہو جائے گا۔ پاکستان قومی اتحاد والے اصولوں کے پابند لوگ ہیں۔ مارچ ۷۷ء کے انتخابات کے خلاف تحریک چلی تو مطالبہ کیا گیا کہ انتخابات فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں کرائے جائیں۔ یہ مطالبہ آئین کی روح کے خلاف تھا مگر کسی نہ کسی طرح ایسے حالات پیدا ہو ہی گئے کہ انتخابات کی ذمہ داری افواج کے سر پر آن پڑی۔ اب

چاروں صوبوں کے گورنر بہر حال اعلیٰ عدالتوں میں جج یا چیف جسٹس صاحبان ہیں۔ قربان جایئے اصولوں کے کہ پاکستان قومی اتحاد نے اب انتخابات کرانے کے لئے خود کو بھی شریکِ اقتدار کرالیا ہے۔ اس لئے کہ صرف اسی صورت میں ان کے انتخابات جیتنے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے وگرنہ جب بھی عام انتخابات کسی دباؤ کے بغیر یا مثبت یا منفی نتائج کی پرواہ کئے بغیر منعقد کرائے گئے تو اکثریتی ووٹ صرف اور صرف جناب ذوالفقار علی بھٹو کے نام پر پیپلز پارٹی کو ہی پڑیں گے۔ یہ بات آہستہ آہستہ مارشل لا کے ذمہ داروں کی سمجھ میں آنی شروع ہو گئی ہے! اسی لئے تو انہوں نے اب بلاواسطہ طور پر پہلی بار پیپلز پارٹی کے لیڈروں سے رابطہ قائم کیا ہے اس سے پہلے یہ رابطہ بالواسطہ تھا جسے کوئی خاص اہمیت اس لئے حاصل نہیں تھی کہ مذاکرات کے لئے درمیان میں آنے والے افراد کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ یہ صورتِ حال مزید برقرار نہیں رکھی جا سکتی تھی اسی لئے راؤ فرمان علی کے بعد اب لفٹیننٹ جنرل ایف علی چشتی کے ذریعے مسٹر غلام مصطفےٰ کھر اور میر مرتضےٰ بھٹو سے رابطہ قائم کیا گیا۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں اور سب کچھ تو رہا ایک طرف، جب راؤ فرمان اور جنرل چشتی نے مسٹر غلام مصطفےٰ کھر سے وطن واپسی کی بات کی اور کہا کہ "تم بھٹو کے خلاف معالحہ لینے آتے تھے۔" تو مسٹر کھر نے جواب دیا "میں فی الحال وطن واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" اگر کسی کو محفوظ مستقبل کی ضمانت مل جائے تو پھر یہ ساری مصیبت سے جان ہی نہ چھڑالی جائے۔ کیونکہ مسٹر بھٹو کی حب الوطنی اور لیڈر شپ کی قوم کی اکثریت قائل ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی اس کا برملا اظہار کرے اور کوئی اس اظہار سے باتھ روم میں بھی ڈرے، موجودہ حکمرانوں کو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے دوران ملک میں حکومت کرکے اور یک طرفہ حکومت کرکے تمام حقائق سے آگاہی ہو ہی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جن افراد نے مسٹر بھٹو کو جی بھر کر گالیاں دیں ۱۹۷۷ء کے انتخابات سے بہت پہلے وہ مسٹر بھٹو کے زبردست مداحوں میں شامل تھے اور انتخابات میں وہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر حصہ لے رہے تھے۔ مسٹر بھٹو نے اپنے بڑے بڑے مخالفین کا بھی اس طرح ناطقہ بند نہیں کیا جس طرح آج کل ان لوگوں کا ناطقہ بند کیا جا رہا ہے جو جنرل ضیاء الحق صاحب کے مخالف تو نہیں ہیں مگر جنرل صاحب ان کے خیالات کو پسند نہیں کرتے۔ کوشش ساری یہ ہے کہ چاروں طرف سناٹا ہو اور اس سناٹے میں اگر کوئی آواز آئے تو صرف یہی کہ "زندہ باد" "سب ٹھیک ہے" مگر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ جب تک اس ملک میں انصاف پسند ایک بھی شخص زندہ ہے اور اس میں سانس کی ایک رمق بھی باقی ہے یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔ ایسا اس لئے بھی نہیں ہو سکتا کہ ساری قوم یک دم کبھی بے ضمیر نہیں ہو سکتی جیسا کہ پاکستان قومی اتحاد میں بھی ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اس بے اصولی پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ ایسی ہی ایک بے اصولی کے خلاف ملک کا ایک سنجیدہ طبقہ ہے جو یہ پسند نہیں کرتا کہ صدرِ مملکت کی جانشینی کے موجودہ آرڈی ننس کو جو اگرچہ آئین کے خلاف ہے کسی صورت میں تبدیل کیا جائے۔ پاکستان قومی اتحاد نے حکومت میں شرکت کا فیصلہ کرنے کے لئے جہاں اور شرائط منوائی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ آئین کی روح اور بنیاد کے خلاف کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اس شرط کا اطلاق اقلیتوں کے لئے علیحدہ انتخابی فہرستوں کی تیاری اور اس سلسلے میں متوقع آئینی ترمیم پر بھی ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے آئین میں یہ بنیادی تبدیلی بھی ہو گی کہ اقلیتوں کے لئے علیحدہ انتخابی فہرستیں بنائی جا سکیں۔ اس صورت میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی نشستوں کی تعداد بڑھے گی اور اس کے لئے آئین میں تبدیلی کرنا ہو گی۔ غالباً اسی لئے صدرِ مملکت نے ابھی تک اس آئینی ترمیم کے بل پر دستخط نہیں کئے ہیں۔

حیات محمد خان عرف کوثر نیازی ذاتی پسند ناپسند کے سخت قائل ہیں۔ انہوں نے پچھلے دنوں ایک مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ صرف اپنے مطلب کے افراد کو ہی خصوصی دعوت دی۔ ہمارا اول تو انہیں پتہ ہی معلوم نہیں اور اگر معلوم بھی ہوتا تو دعوت نامہ بہر حال نہ ملتا۔ مولوی نے اپنے جی حضوریئے اخبار نویسوں کی پریس کانفرنس میں وضاحت کی کہ ان کو قومی حکومت میں شرکت کی دعوت ملی تھی اور چونکہ قومی حکومت کی تشکیل نہیں ہو سکی ہے اس لئے انہوں نے ایسی حکومت میں اپنی شمولیت کی پیش کش واپس لے لی تھی جو قومی نہ ہو۔ دوسرے ہی سانس میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر مارشل لا حکام نے ہمارے کچھ ساتھیوں کی خدمات لیں تو ہم ان کو اجازت دے دیں گے اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی۔

حیات محمد خان کوثر نیازی نم تو اپنے ساتھیوں کی فہرستیں بھی تیار کر چکے تھے جن کو تم نے اس غیر منتخب حکومت میں وزیر بنوانا تھا مگر برا ہو پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کا جنہوں نے مارشل لا کے ساتھ تعاون ہی اس شرط پر کیا ہے کہ وہ یا ان کے کسی حواری کو کابینہ میں جگہ نہ دی جائے اور جنرل ضیاء صاحب کو نہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات ماننی پڑی ہے۔ پروفیسر غفور کے لہجے میں ان کے خلاف کاٹ کسی مضبوطی ہی کی بنیاد پر ہے۔ کوثر نیازی نجانے کن ہواؤں میں رہتے ہیں۔ اپنی ذات کے خول سے باہر نکلیں اور کبھی ایک ایسی پریس کانفرنس سے خطاب کرنے کی جرأت کریں جس میں تمام اخبار نویسوں کو بلایا گیا ہو پھر حوصلے سے سوالوں کے جواب دیں۔ یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ کوثر نیازی اس بات کے عادی ہیں کہ اخبار نویس کے کسی چبھتے ہوئے سوال پر غصہ لگا ہوا اور پھر اسے باہر چلے جانے کا بھی مشورہ دیں۔ حوالے کے لئے اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں پچھلے سال کی پریس کانفرنس میں ایک اخبار نویس کے ساتھ اپنا سلوک یاد کریں۔ برخورداروں، نورِ چشموں، راحت جانوں پر مشتمل پریس کانفرنس میں سوال کرنے کی کسی اخبار نویس میں اخلاقی جرأت تھی ہی نہیں اسی لئے تو وہ بغلیں بجاتے ہوئے چلے گئے۔

اسلام آباد میں تحریک آزادیٔ فلسطین کے دفتر میں نامعلوم افراد کے حملہ میں شہید ہونے والے فلسطینی نوجوانوں کی نماز جنازہ اسلام آباد کی جامع مسجد میں ہوئی مومنوں اور اسلام پسندوں کی حکومت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تحریک کے شہدا کی نماز جنازہ میں کوئی بھی سرکاری نمائندہ شریک نہیں تھا۔ ایسا اس لئے تھا کہ اسلام کے نام پر حکمرانی کرنے والوں کے دور میں مسلمانوں کے قاتل دندناتے پھرتے ہیں۔ وفاقی دارالحکومت میں دن دہاڑے یہ حادثہ ہوتا ہے اور سکون کا یہ عالم ہے کہ خدا کی پناہ۔ دن دہاڑے ایک مظلوم اسلامی حکومت کے حریت پسند شہید کر دیئے گئے۔ ذمہ دار لوگ دوسروں کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے گریبان میں بھی جھانک لیں۔

غینوں کی ڈاری

قومی اتحاد نے سودے بازی

نہ کرنے کے اعلان پر سودے بازی کرلی

نام پی۔ این۔ اے دے گی منظوری جنرل صاحب دینگے

پی این اے کے سربراہ مولانا مفتی محمود، نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خان اور سیکریٹری جنرل پروفیسر غفور احمد کا آج کل سارا زور اس بات پر ہے کہ حکومت میں پی این اے کی شمولیت کا فیصلہ ان کے "اصولوں" کے منافی نہیں ہے اس سے پہلے کہ ہم اس بات کا تجزیہ کریں کہ پی این اے کے ان رہنماؤں کا یہ موقف کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ اس بات کی نشاندہی بہت ضروری ہے کہ حکومت میں پی این اے کی شمولیت کے بارے میں اب تک جتنے بھی اعلانات ہوتے ہیں وہ سب کے سب پی این اے کے رہنماؤں کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ حکومت نے انتہائی معنیٰ خیز خاموشی اختیار کر رکھی ہے اس سلسلے میں حکومت کی جانب سے اب تک کوئی واضح اعلان نہیں ہوا ہے سیاسی حلقوں کا خیال ہے، کہ حکومت کی یہ "خاموشی" بے معنیٰ نہیں ہے۔

پی این اے کے رہنمایان کرام دعویٰ کر رہے ہیں کہ انہوں نے حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کر کے اصولوں پر کوئی سودے بازی نہیں کی۔ ان کا موقف ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کچھ عرصہ پہلے پی این اے کی طرف سے سی ایم ایل اے کو لکھے گئے "خط" کی روشنی میں کیا ہے۔ اس خط میں حکومت میں شمولیت کے سلسلے میں پی این اے نے جو موٹی موٹی شرائط پیش کی تھیں۔ وہ مندرجہ ذیل تھیں۔ (۱) صوبوں سے مارشل لا ختم کیا جائے (۲) سیاسی سرگرمیوں سے مکمل طور پر پابندی ختم کی جائے (۳) حکومت میں پی این اے کی شمولیت کے وقت عام انتخابات کا شیڈول ظاہر کیا جائے (۴) کابینہ میں سی ایم ایل اے کے علاوہ کسی کو بھی فوج اور بیوروکریسی سے نہ لیا جائے (۵) کابینہ میں پی این اے کے جو نمائندے شامل ہوں گے ان کی نامزدگی اتحاد خود کرے گا۔ (۶) پی این اے سے جو فرد حکومت میں شامل کیا جائے گا وہ پی این اے کے مشورے سے لیا جائے گا (۷) وفاقی کابینہ بااختیار ہوگی۔

اب آیئے ہم دیکھیں کہ ان اصولوں کی کہاں تک پاسداری کی گئی ہے۔ پہلی شرط کو تو بالکل پاؤں تلے روند دیا گیا ہے۔ خود پروفیسر غفور احمد نے کہا کہ صوبوں کے سربراہ بدستور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر رہیں گے۔ سیاسی سرگرمیوں سے مکمل طور پر پابندی ختم کرنے کی بجائے اب مفتی صاحب قوم کو مژدہ سنا رہے ہیں کہ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی میں محدود نرمی کی جائے گی بہرحال اس کی بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ یہ نرمی

مفتی محمود نے بیوروکریسی کو وزارتوں میں بالواسطہ قبول کرلیا

کس حد تک کی جائے گی۔ کیا یہ نرمی برائے نام تو نہیں ہوگی؟ اور اس بات کی بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ یہ "نرمی" کب سے عمل میں آئے گی۔ ہم یہاں مفتی صاحب کو ان کے ایک بیان کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہم کسی صورت میں ایسی حکومت میں شامل نہیں ہو سکتے جس کی طرف سے سیاسی سرگرمیوں پر تھوڑی سی بھی پابندی برقرار ہو۔ مگر کیا کریں مفتی صاحب ہیں، جو چاہیں فتویٰ دے دیں۔

حکومت میں شمولیت کے وقت عام انتخابات کے شیڈول کا اعلان کرنے کے بارے میں بھی عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پی این اے کے سیکریٹری جنرل پروفیسر غفور صاحب فرماتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے ایک تاریخ بتائی جائے گی جس سے پہلے عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ حالانکہ شیڈول کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ نامزدگی کے کاغذات داخل کرنے، امیدواروں کی طرف سے دستبردار، اور عام انتخابات کی تاریخ وغیرہ کا ایک ہی وقت اعلان کیا جائے جہاں تک عام انتخابات کی تاریخ کا تعلق ہے تو پی این اے کے حلقوں کی طرف سے بتایا جا رہا ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۹ء تک انتخابات کے امکانات ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ پی این اے کے صاحبان نے عام انتخابات میں ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ کا التوا منظور کر لیا ہے، جب کہ سی ایم ایل اے بار بار کہتے رہے ہیں کہ عام انتخابات میں فقط مہینوں کی دیر ہے، سالوں کی نہیں۔

جہاں تک کابینہ میں فوج اور بیوروکریسی کے نمائندوں کو شامل نہ کرنے کی شرط تھی تو مفتی صاحب کراچی کے جناح اسپتال میں ہی علاج کے دوران اس شرط سے دستبردار ہو گئے تھے جب کہ اطلاع کے مطابق بیوروکریسی کے اصل نے وڈے نمائندے مسٹر غلام اسحاق خان کسی نہ کسی شکل میں کابینہ میں شامل رہیں گے۔

اسی طرح پی این اے کی باقی شرائط کی بھی حالت ہے۔ کابینہ میں پی این اے کے نمائندوں کی نامزدگی پی این اے نہیں کرے گی مگر پی این اے فقط اپنی

ایک فہرست پیش کرے گی جن میں سے سی ایم ایل اے صاحب جس کو چاہیں گے "وزیر" کا اعزاز بخشیں گے. باالفاظ دیگر "گوہر نایاب" کا انتخاب کریں گے اور جسے نہ چاہیں گے بیک جنبش مسترد کر دیں گے. اب اس صورتحال سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس طرح قائم ہونے والی کابینہ کس حد تک "بااختیار" اور "بامقصد" ہوگی.

ہمیں مفتی محمود اور جماعت اسلامی کے فیصلے پر کوئی حیرت نہیں. اگر حیرت ہے تو نواب زادہ نصر اللہ خاں کے فیصلے پر، جن کے پاس اگر کچھ کہنے کو تھا تو یہ کہ "میں نے ہمیشہ غیر جمہوری حکومت کی مخالفت کی ہے". مگر شاید نواب زادہ صاحب اپنی عمر کے اس حصہ میں کافی تھک گئے ہیں. بہر حال نواب زادہ صاحب کے سیاسی کیرئیر پر ایک ایسا دھبہ ہے جو شاید کبھی نہ ڈھل سکے. جماعت اسلامی اور مفتی محمود کے بارے میں ہم ان ہی کالموں میں پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ جماعت اسلامی کابینہ میں شامل ہونا چاہتی ہے مگر وہ چاہتی ہے کہ مفتی محمود بھی ان کے ساتھ حکومت میں شامل ہونے پر رضامند ہو جائیں.

ایک بات کافی دلچسپ ہے کہ جماعت اسلامی، جمعیت العلمائے اسلام اور پی ڈی پی کے صفِ اول کے رہنما حکومت میں شمولیت سے کنی کترا رہے ہیں. اور اپنے بدلے اپنی پارٹیوں کے صفِ دوم کے رہنماؤں کے گلے میں فوجی جنتا کے زیر کابینہ کی وزارت کا طوق ڈالنا چاہتے ہیں. شاید ان صاحبان کو یہ طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہوئے تھوڑی سی شرم محسوس ہو رہی ہے.

عوامی قرطاسِ ابیض

محمد صادق عمرانی

انتہائی تشدد، مُنہ سے خون آ رہا ہے

نمائندہ پرچات

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی حاجی محمد مراد جمالی کی وفات پر تعزیت کے لئے آمد کے موقع پر ضلع نصیر آباد کی پاکستان پیپلز پارٹی کے ضلعی صدر محمد صادق عمرانی کی گرفتاری جس ڈرامائی انداز سے عمل میں آئی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے.

گرفتاری کے دن ۲۹ جولائی کو محمد صادق عمرانی صبح گھر سے نکل گئے تھے اور رات لوٹے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں پولیس نے سارے محلے کو گھیرے میں لے لیا اور سب سے پہلے اُن کا ٹیلی فون کاٹ دیا۔ پھر ایس پی شفقت حیات کی سرکردگی میں رائفل بردار پولیس کا جتھہ اُن کے گھر میں گھس گیا اور گھر کے سارے افراد کو ایک جگہ جمع کر کے خانہ تلاشی لی گئی۔ پولیس نے شبہ ظاہر کیا کہ گھر میں دستی بم اور حکومت کے خلاف پمفلٹوں کے ڈھیر پڑے ہیں. پولیس کی بد قسمتی سے ایسی کوئی چیز برآمد نہ ہوئی.

جب محمد صادق عمرانی گھر میں داخل ہوتے تو ایس پی شفقت حیات اور پولیس کے جوان جو چھتوں اور دیواروں پر جا پہنچے تھے، انہیں دیکھتے ہی نیچے اُتر آئے اور انہیں تھانہ چلنے کا حکم دیا۔ انہوں نے وارنٹ دکھانے کو کہا تو ان کے مُنہ پر زور دار تھپڑ پڑا اور پھر وہ یگن میں بٹھا کر تھانہ لے جایا گیا اور بند کر دیا گیا.

محمد صادق عمرانی کو اب تک عدالت میں پیش نہیں کیا گیا ہے۔ ان کے سینئر وکیل اور پیپلز پارٹی جیکب آباد کے صدر محمد رفیق کھوسہ نے ایس ڈی ایم اوستہ محمد کی عدالت میں ان کے حبسِ بیجا کے خلاف درخواست دائر کر رکھی ہے جس کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ اس دوران میں محمد صادق عمرانی کو مختلف تھانوں اور جیلوں میں منتقل کیا جا رہا ہے اور ان پر جسمانی تشدد کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں اُن کے مُنہ سے خون آنے لگا.

اس سلسلے میں انہیں علاج کے لئے جھٹ پٹ ہسپتال بھی لے جایا گیا اور سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے اپنی ۲ اگست کی رپورٹ نمبر ۹۷۲۳ میں بتایا کہ ان کے اندرونی چوٹیں آئی ہیں جس سے انہیں خون آ رہا ہے اور انہیں فوراً کسی بڑے ہسپتال میں داخل کرایا جائے لیکن حکومت نے اس رپورٹ پر کوئی توجہ نہیں دی اور وہ بدستور پولیس کی حوالات میں ہیں.

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی آمد پر پورے علاقوں میں دیواروں پر نعرے لکھے ہوئے تھے کہ پہلے پٹ فیڈر کے شہید کسانوں کے گھروں پر جا کر فاتحہ خوانی کرو۔ بھٹو کو آزاد کرو۔ انتخابات کراؤ۔ جمہوریت بحال کرو وغیرہ.

واضح رہے کہ ۲۲ دسمبر ۷۷ء کو جمالی قبیلے کے افراد نے پٹ فیڈر کے کسانوں، مزدوروں پر بے دریغ فائرنگ کی تھی جس سے دس افراد ہلاک ہو گئے تھے اور قتل کے الزام میں ظفر اللہ جمالی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس سے علاقے اور پاکستان بھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی جس کی صدائے بازگشت اب بھی سنائی دے رہی ہے

امریکہ میں قیمت ایک روپیہ

پاکستان میں قیمت ۹ روپے ۵ پیسے

پرچھات رپورٹ

امریکی اثرات نے پاکستان میں

جمہوریت کے قتل میں اہم کردار ادا کیا ہے

پاکستان کو دی جانے والی امریکی امداد پر پابندی کے حالیہ واقعہ نے ایک بار پھر ہمیں اپنے خارجہ تعلقات کی ماہیت اور جہت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کیا ہے۔

امریکہ کے اس اقدام پر پاکستانی رائے عامہ کا جو ردِ عمل اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اس میں اس بنیادی نکتہ پر سب متفق ہیں کہ امریکی 'امداد' کے بند ہو جانے سے پاکستان کی معیشت پر بُرا نہیں بلکہ اچھا ہی اثر پڑے گا۔

اس بات پر بھی سب متفق ہیں کہ امریکی اقدام پاکستان کی خود مختاری میں مداخلت اور صریح بلیک میل پر مبنی ہے لیکن بات صرف یہیں نہیں ختم ہو جاتی۔ سوال یہ ہے کہ معیشت کے علاوہ پاکستان کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی شعبوں میں وہ کون سا پہلو ہے جو امریکی اثر سے آزاد ہو۔ اور ان تمام شعبوں میں امریکی اثر کے باعث ہم نے جو کچھ کھویا یا پایا ہے۔ اس کا محض سرسری جائزہ ہی یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہم اپنے وجود کے ابتدائی سالوں ہی میں امریکہ پر انحصار کرنے کی جس راہ پر گامزن ہو گئے تھے اس کے نتیجے میں ہم نے قومی آزادی اور خود مختاری کو داؤ پر لگا دیا۔

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کی تاریخ قیامِ پاکستان سے بھی پیچھے جاتی ہے۔ جب ابھی انگریز برِصغیر میں موجود تھے۔ ان دنوں امریکی عالم اور پادری اس علاقے میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر فیروز احمد اپنی کتاب "سامراج اور پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران، امریکہ میں صدر روزویلٹ کی انتظامیہ نے برِصغیر میں باقاعدہ دلچسپی لینا شروع کی۔ کیونکہ ہندوستان مغربی اتحادیوں کے دفاع میں نہایت اہم حیثیت کا حامل تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ کو اس بات میں دلچسپی تھی کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد امریکہ، برِصغیر کو اپنے دائرہ اثر میں لے لے۔۔ بقول پروفیسر نارمن براؤن فروری ۱۹۴۶ میں وزارتِ خارجہ نے اکھنڈ بھارت کے متوقع حل کا خیر مقدم کیا۔ اور لیبر پارٹی کی حکومت کے اس مہینے میں ہونے والے فیصلہ کو سراہا لیکن لیبر پارٹی کی حکومت نے جب اپنا فیصلہ اُلٹ کر تقسیم کا اعلان کیا تو وزارتِ خارجہ نے اس کی بھی تعریف کی۔

موجودہ پاکستان امریکہ نوازی کا مظہر ہے!

ہماری سیاست بے آبرو، معیشت تباہ

اور تشخص گم ہوچکا ہے!

قیام پاکستان کے بعد پاک امریکہ تعلقات کی ابتدا لیاقت علی کے دورۂ امریکہ سے ہوئی۔ تاہم فوجی معاہدوں کا مرحلہ آنے میں کچھ وقت لگا اور یہ معاہدے خواجہ ناظم الدین کے زمانے میں ہو سکے۔ صدر آئزن ہاور کو پاکستان سے خاص دلچسپی روس اور چین کا پڑوسی ملک ہونے کے سبب تھی۔ چنانچہ "جنوبی اور جنوب مغربی ایشیا میں قدم جمانے کے لئے پاکستان کا جغرافیائی مقام انوکھا اور اہم تھا۔ اس سوچ کے زیر اثر اور سرد جنگ کے تقاضوں کے پیش نظر امریکی وزیر خارجہ جان فوسٹر ڈلس نے باقاعدہ طور پر پاکستان کو اپنا حاشیہ بردار بنانے کی کوششیں شروع کر دیں" (فیروز احمد صفحہ ۴۱)

شروع شروع میں پاکستان آزاد خارجہ پالیسی کی طرف مائل تھا اور اپنی تاریخ کے ابتدائی دنوں میں اس نے کسی حد تک باوقار کردار ادا کیا لیکن پاکستان کی خارجہ پالیسی جلد ہی امریکہ نوازی کی راہ پر چل پڑی۔ گنکاوسکی اور گورڈن پولونسکایا کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۹ء میں حکومت پاکستان کے اس فیصلے کے پیچھے کہ وہ ہندوستان کی طرح اپنے روپے کی قیمت میں کمی نہ کرے، امریکہ کا ہاتھ تھا۔ اس فیصلے نے پاکستان کی بیرونی تجارت کو متاثر کیا اور پاکستان اور زیادہ امریکی اثر میں آ گیا۔

پاکستان نے امریکہ سے پہلا فوجی معاہدہ ۱۹۵۰ء میں کیا۔ اور یہیں سے پاکستان میں جمہوریت کی پامالی کا دور شروع ہوا۔ پاکستان میں امریکی اثرات نے جمہوریت کے قتل میں اہم کردار ادا کرنا شروع کیا۔ جیسے جیسے امریکی تسلط میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے پاکستان میں جمہوریت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی گئیں اور آمریت کے لئے راہ ہموار ہوتی۔ سول انتظامیہ نے اقتدار میں فوج کو شریک کرنا شروع کیا۔" مارچ ۱۹۵۲ء تک امریکہ نے پاکستانی فوج کو "جدید" بنانے کی غرض سے بڑے پیمانے پر فوجی امداد دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ان معاہدوں نے جلد ہی اثر دکھایا ۱۹۵۳ء میں غلام محمد نے ناظم الدین کی حکومت کو برخاست کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور امریکہ میں پاکستانی سفیر محمد علی بوگرہ جن کی سیاسی حیثیت کا کوئی وجود نہیں تھا' ۱۹۵۳ء میں واشنگٹن سے پاکستان آتے اور یہاں کے وزیر اعظم بنا دیتے گئے۔

محمد علی بوگرہ نے امریکہ نوازی کی حد کر دی۔ اپنی ایک تقریر میں انہوں نے کہا:" امریکہ صرف امن چاہتا ہے اور اس کی کوششوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ وہ ایک عظیم کار خیر کے لئے متحرک ہے۔" امریکہ نے بھی بوگرہ کی تقریر پر اپنے خوشی سے بھرے جذبات کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

آئندہ ڈیڑھ برس میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کا جھکاؤ مکمل طور پر امریکہ کی طرف ہو گیا۔ یہی جھکاؤ پاکستان میں جمہوریت کی پامالی کا بڑا سبب بنا۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے انتخابات ملتوی کر دیتے گئے۔ لیکن جب حکمران جماعت کو مجبوراً انتخابات کرانا پڑے تو اسے (مسلم لیگ کو) عبرتناک شکست ہوئی۔ ۳۰۹ میں سے صرف ۱۰ نشستیں حاصل کرنے کے بعد اس جماعت کو سنبھالا دینے کے

لئے امریکہ نے یہ تبصرہ کیا کہ مشرقی پاکستان کے انتخابات چونکہ صوبائی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کے نتائج سے مرکزی حکومت کی پالیسیاں متاثر نہیں ہوں گی! اس کے کچھ دنوں بعد ہی امریکہ اور پاکستان کے درمیان دو طرفہ فوجی معاہدے کے بعد مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ کی مخلوط حکومت کو برطرف کر دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد پاکستان کے دونوں حصوں میں کمیونسٹ پارٹی پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

ان اقدامات نے بڑے فوجی معاہدوں کے لئے راہ ہموار کی۔ ستمبر میں پاکستان سیٹو میں شامل ہو گیا۔ اس فوجی معاہدے کے ایک سال بعد وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے پاکستان کو معاہدۂ بغداد میں شامل کرنا منظور کر لیا جو بعد میں عراق کے نکل جانے کے بعد سینٹو کے

نام سے مشہور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مغربی پاکستان کے چاروں صوبے توڑ کر ون یونٹ قائم کر دیا گیا۔ امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدوں اور پاکستان میں جمہوریت کشی کے عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس سلسلۂ عمل میں جس شخصیت نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ وہ ایوب خان تھے۔ تاہم اس ضمن میں اسکندر مرزا کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان کے پہلے پنجسالہ منصوبے کی تکمیل سے قبل جنرل ایوب نے ملک فیروز خان نون کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ فوجی آمریت کے بالکل ابتدائی دنوں میں ہی پاکستان اور امریکہ کے درمیان ایک نیا باہمی فوجی معاہدہ طے پایا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان نے امریکہ کو خفیہ اڈے بنانے کی اجازت دے دی چنانچہ امریکہ نے پشاور میں بڈ بیر کے مقام پر جاسوسی کا ایک اڈہ قائم کر لیا۔ اسی اڈے سے امریکی جاسوس فرانسس گیری پاورز نے یو۔ ٹو طیارے میں روسی علاقے میں غیر قانونی پرواز کی۔ اس طیارے کو راکٹ کے ذریعے مار گرایا گیا۔ اور یوں اپنی کمزور خارجہ پالیسی کے بعد پاکستان نے اپنے ایک پڑوسی ملک سے غیر ضروری دشمنی مول لے کر اپنا قومی وقار مجروح کیا۔

امریکہ کی جانب سے ۶۵-۱۹۵۴ء کے درمیانی عرصے میں پاکستان کو ایک ارب ڈالر سے زائد مالیت کی فوجی امداد دی گئی۔ اور اس سے کئی طرح کے سیاسی مقاصد حاصل کئے گئے۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی نے مارچ ۸۱ء کے اردو ڈائجسٹ میں اپنے انٹرویو میں انکشاف کیا ہے کہ جب ایوب خان نے آئزن ہاور سے کہا تھا کہ مجھ میں اتنی بڑی فوج رکھنے کی استطاعت نہیں۔ اسے میں ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے ختم کر دوں گا تو آئزن ہاور نے کہا، فوج رکھو، اس کے تمام اخراجات ہم ادا کریں گے۔ ان دنوں پاکستان کی چار ڈویژن فوج کی تنخواہ امریکہ ادا کر رہا تھا۔ یہی حالات ایک دوسرے مارشل لا پر منتج ہوئے۔ دوسرے مارشل لا کے خاتمے پر ملک ٹوٹا۔ اور تیسرے مارشل لا کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا ہے کہ اگر چوتھا مارشل لا لگا تو ملک ختم ہو جائے گا۔ یہ نتیجہ ہے امریکہ کی "دوستی" "امداد" اور فوجی معاہدوں کا۔ جو دشمن کے ساتھ جنگ میں کبھی کام نہ آئے اور جنہوں نے پاکستان کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

دسمبر ۱۹۵۰ء میں امریکہ سے فوجی اسلحہ خریدنے کے معاہدے کے بعد پاکستان کو ۔ ۲ لاکھ ڈالر کی تکنیکی امداد ملی۔ ڈاکٹر فیروز احمد کے مطابق ۵۵-۱۹۵۱ء کے دوران منظور ہونے والی امریکی اقتصادی امداد کا ۸۳٫۴۴ فیصد عطیہ کے طور پر دیا گیا تھا۔ سیٹو اور سینٹو معاہدوں میں پاکستان کی شرکت کے بعد پاکستان نے اپنے پہلے پنجسالہ منصوبے کے لئے امریکہ سے ۶۶٫۶۴ کروڑ ڈالر امداد حاصل کی لیکن عطیہ کم ہو کر ۶۲٫۷۰ فیصد رہ گیا۔ ایوب خان کے عہد میں امدادی رقم میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۶۵-۱۹۵۵ء کے دوران پاکستان نے امریکہ سے ۴ ارب ۳۰ کروڑ ڈالر

ایٹمی ری پروسسنگ پلانٹ
امریکہ بلیک میل کر رہا ہے

عوامی جمہوری اتحاد کے سکریٹری سردار شوکت علی نے کہا ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی اقتصادی امداد بند کر کے کھلا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ اپنے سامراجی عزائم پورا کرنے کے لئے کس طرح ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کو بلیک میل کرتا ہے تاکہ پاکستان فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ منسوخ کر دے۔ امریکہ ان ملکوں کی معیشت کو اپنے تابع رکھنا چاہتا ہے اور اس کا پاکستان پر دباؤ کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان زرعی و صنعتی ترقی کے میدان میں خود کفیل ہونے کے بجائے امداد کے سہارے سامراجی قرضوں اور فوجی معاہدوں سے بندھا رہے اور سیاسی و معاشی طور پر بھارت کی بالادستی قبول کرلے۔

سردار شوکت علی نے تمام محب وطن افراد سے اپیل کی ہے کہ وہ امریکی سامراج اور اس کے گماشتوں جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور دیگر استحصالی قوتوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے خود کو شعوری اور تنظیمی طور پر مضبوط کریں تاکہ امریکی سامراج اپنے بگڑتے ہوئے مالی اور معاشی حالات کے باعث پاکستان کو اپنا مہرہ نہ بنا سکے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قومی وقار کی بحالی کے لئے سوشلسٹ ممالک سے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات بڑھائے جائیں۔ سینٹو اور اس جیسے دوسرے معاہدوں سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا جائے تمام سامراجی سرمایہ ضبط کر لیا جائے اور قرضوں کی ادائیگی نہ کی جائے۔ ملک میں دوررس نتائج کی حامل بنیادی صنعتیں لگائی جائیں۔

کی امداد وصول کی۔

دوسرے پنجسالہ منصوبے (۱۹۶۰-۶۵ء) کے دوران ملنے والی امداد بھی حسبِ سابق مشروط تھی۔اس امداد سے پاکستان امریکی اشیا خریدنے اور امریکی ماہرین کو تنخواہیں دینے کا پابند تھا۔اس شرط نے امریکی فرموں کی غیر معیاری اشیا پر زیادہ سے زیادہ نفع کو یقینی بنا دیا۔ان اشیا کی قیمت اور امریکی ماہرین کی تنخواہیں عام عالمی معیار کے مقابلے پر بہت زیادہ تھیں۔ ۱۹۶۵ء کے بعد پاکستان کے لئے امریکی امداد کی پالیسی خصوصیت سے مضرت رساں بن گئی۔

امریکی شرائط جو شروع میں کافی نرم تھیں، اب بہت سخت ہو گئیں اور پاکستان کی خارجہ پالیسی واشنگٹن میں تیار کی جانے لگی۔اس عرصے میں امریکی سیاستدانوں نے وقتاً فوقتاً پاکستانی حکومت کو دھمکیاں دیں کہ اگر اس نے امریکی پالیسیوں سے رُوگردانی کی تو اُس کی امداد روک دی جائے گی۔ ویت نام کی جنگ میں شمولیت سے پاکستان کے انکار نے امریکہ کو خاص طور پر ناراض کیا۔ ۶۵ء کے موسم گرما میں امریکہ نے پاکستان کے لئے اپنی معاشی امداد کو بلیک میل کے طور پر استعمال کیا۔ ۳ جولائی ۶۵ء کو جانسن انتظامیہ نے پاکستان کو اطلاع دی کہ ۲۷ جولائی کو ہونے والا کنسورشیم کا اجلاس دو ماہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے جس میں پاکستان کے تیسرے پنجسالہ منصوبے کے پہلے سال کے لئے امداد منظور کی جانی تھی۔ ایک سال تک امداد بند رہی اور امریکہ پاکستان پر اپنی پالیسیاں مسلط کرنے کے لئے برابر کوشاں رہا۔امریکی امداد روک لئے جانے کے باعث پاکستانی حکومت کو اپنے تیسرے پنجسالہ منصوبے کے لئے پہلے سال کے کئی ترقیاتی کام روکنے پڑے۔

معاشی نکتہ نظر سے ۷۲ء میں پاکستان کے لئے ایک مشکل سال تھا۔جنگ کے بعد کی اقتصادی بدحالی کے نازک موقع پر امریکہ نے کنسورشیم کے دوسرے ملکوں کے ساتھ مل کر پاکستانی سکے کی قیمت کم کرنے پر اصرار کیا ۱۱ مئی ۷۲ء کو پاکستان نے مجبوراً اپنے سکے کی قیمت گھٹا دی۔ ۷۵-۷۴ء میں امریکہ نے پاکستان کو ارب ۹۰ کروڑ ڈالر کی امداد دی۔ ۷۶ء کے امریکی انتخابات میں پاکستانی امداد بند کر دینے کی دھمکیاں سننے میں آئیں۔چنانچہ نئی امریکی انتظامیہ نے ان دھمکیوں کو عملی شکل دینا شروع کیا۔ایٹمی پلانٹ کے مسئلہ پر پہلے سابقہ حکومت نے اور اب موجودہ حکومت نے ایک مخالفانہ رویّہ اختیار کیا اور چند روز پہلے امریکہ نے پاکستان کی اقتصادی امداد بند کر دی۔

پچھلے کئی برسوں سے پاکستانی دانشور "قومی تشخص" اور "قومی ثقافت" کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔انہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ قومی تشخص کی "گم شدگی" کو کوئی حادثاتی واقعہ قرار دیں یا اُس کی تہہ میں کام کرنے والے عناصر کا پتہ چلائیں۔ یہ سادہ سی بات اُنہیں اب تک سُجھائی نہیں دی کہ ہماری پہچان امریکی امداد کے اندھیروں میں گُم ہو گئی ہے۔جس کے لئے علمی موشگافیوں کی کم اور سیاسی بصیرت کی ضرورت زیادہ ہے۔امریکی امداد نے پاکستان کو صرف سیاسی اور معاشی طور پر ہی بانجھ نہیں بنایا،اُس نے اُسے ثقافتی طور پر نیچے گرا دیا ہے۔

پاکستانی معاشرے پر امریکی ثقافت کے غلبے کی داستان امریکی امداد کے پروگرام سے شروع ہوتی ہے لیکن امریکی امداد کے خاتمے پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اور یہی ہمارا سب سے بڑا قومی المیہ ہے۔ مبشر حسن نے اپنی کتاب "شاہراہِ پاکستان" میں اس غلبے کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے لیکن یہاں محض چند نکات پر اکتفا کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ جب حکومتیں "امداد" اور "ترقی" کے بدلے اپنی سیاسی خود مختاری بیچتی ہیں تو پھر اس "ترقی" میں صرف ملکی اقتصادیات ہی تباہ نہیں ہوتی بلکہ قومی تشخص بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔

امریکی یونیورسٹیوں سے تعلیم پا کر آنے والے نوجوان پاکستان میں حکمران طبقے کی صورت اختیار کرتے ہیں۔یہ ذہین و فطین نوجوان واپس آ کر فر فر انگریزی بولنے سے لے کر حکومت حاصل کرتے اور اسے چلانے تک اپنی زبردست صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔انہیں سطحی تعلیم دی جاتی ہے۔ بڑی بڑی ڈگریوں کے باوجود ان کے ذہنوں پر جمود طاری رہتا ہے۔ سائنس اور آرٹس میں وہ کوئی تخلیقی کارنامہ سرانجام دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے۔ یہ تعلیم یافتہ عناصر لباس، خوراک، طریقہ زندگی اور کھانے پینے کے اعلیٰ امریکی آداب کا مظاہرہ کر کے اعلیٰ ہوٹلوں، کلبوں، کاک ٹیل پارٹیوں، ریس گاہوں ناچ گھروں اور عیاشی کے دوسرے مرکزوں میں اپنی انگریزی دانی کا سکہ جماتے ہیں۔ ان کا سارا علم ریڈرز ڈائجسٹ، ٹائم اور نیوز ویک تک محدود ہوتا ہے۔ گولف کے بغیر ان کا "ویک اینڈ" صحیح نہیں گزرتا، نئے سال کی پارٹیاں، برتھ ڈے کیک، موم بتیاں، اور شدید احساس کمتری۔ یہ عناصر عام آبادی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکی فلمیں امریکی طرز کے کلب اور ناچ گانے لوئر مڈل کلاس کو "اوپر" کی طرف بڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں امریکی سنٹر پاکستان کی پڑھی لکھی آبادی کے افراد کو "اپنی سرزمین" سے ذہنی طور پر اتنا دور لے جاتے ہیں کہ ان کی واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

مختلف امریکی کمپنیوں نے پاکستانی معیشت کو

اپاہج بنانے کے ساتھ یہاں منفی نوعیت کی معاشرتی تبدیلیاں بھی پیدا کی ہیں۔ یہ کمپنیاں اپنے مال کے نام اور فارمولا کو استعمال کرنے کی بھاری فیس اور کمیشن وصول کرتی ہیں۔ جو اشیا یہاں غیر ملکی ناموں کے تحت تیار ہوتی ہیں وہ کسی ملکی ضرورت کو پورا کرنے کی بجائے، فضول سرمایہ کاری کے رجحان میں اضافہ کرتی ہیں۔ دیسی مشروبات اور ابن حسن علی، نسروانجی، پاکولا اور راجس نامی سوڈے کی مقامی کمپنیوں کی جگہ کوکاکولا، پیپسی کولا، سیون اپ، فینٹا، ببل اپ، کینا ڈا ڈرائی، آرسی کولا، ایپل سڈرا اور کئی دوسرے ناموں کے مشروبات کو رائج کیا گیا جس کے نتیجے میں پاکستان کی مقامی سوڈے کی صنعت تباہ ہو گئی ہے اور دیسی مشروبات کا رجحان بھی کم ہو رہا ہے ڈاکٹر فیروز احمد کے لفظوں میں ابھی ان کولاؤں اور غیر کولاؤں کی یلغار جاری تھی کہ غیر ملکی آئس کریم کا سیلاب بھی شروع ہو گیا۔ وہ آنے کی قلفی کھانے والے بچے اب ڈھائی روپے کی کون سے کم بات نہیں کرتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سنو کریسٹ اور ایم ایف کے علاوہ اگلو، پولکا اور اسکیمو کے بوتھ جگہ جگہ نظر آنے لگے ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ تکنیکی نکتہ نظر سے ایسا کون سا مسئلہ درپیش ہے کہ پاکستان میں غیر ملکی مداخلت کے بغیر شربت اور آئس کریم نہیں بن سکتے؟

غیر ملکی ناموں کے تحت صابن اور ٹوتھ پیسٹ بھی تیار ہوتے ہیں جو "پاکستان کی سستی مزدوری اور سستے خام مال کے باوجود امریکہ کی قیمتوں سے بھی زیادہ مہنگے ہیں۔ پاکستان میں پین امریکن ہوائی جہاز کمپنی اور پاکستان سروسز لمیٹڈ کے اشتراک سے بننے والے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں اور اب ہلٹن اور شیریٹن ہوٹلوں کی تعمیر بھی ملکی معیشت پر منفی اثرات ڈال رہی ہے،

ثقافتی صورت حال تو ظاہر ہے اس کے نتیجے میں پہلے ہی دگرگوں ہے۔

صدر آئزن ہاور نے ۱۹۵۳ء میں کہا تھا کہ امریکی خارجہ پالیسی کا ایک سنجیدہ اور واضح مقصد، بیرونی ممالک میں سرمایہ لگانے کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنا ہے ایک امریکی سرمایہ دار چارلس بیزول نے امریکی تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پاکستان جائیں۔ یہ پیسہ بنانے کے لئے اچھی جگہ ہے۔" اس ذہنیت کا پاکستان میں بھرپور انداز میں مظاہرہ کیا گیا۔ یہاں صنعت اور تجارت کو فروغ تو حاصل ہوا لیکن یک طرفہ۔ صنعتی میدان میں سرمایہ کاری کے لئے جن شعبوں کا انتخاب کیا گیا۔ ان کا ذکر ثقافتی اثرات کے باب میں آچکا ہے ان شعبوں کے علاوہ زیادہ تر تیل، معدنیات اور دوسرے خام مال کو نکال کر لے جانے پر سرمایہ کاری کی گئی۔ صنعت کاری کے لئے بہت کم سرمایہ لگایا گیا۔ دوا سازی کو چھوڑ کر اور کسی بھی اہم صنعت میں سرمایہ کاری نہ کی گئی۔ دوا سازی میں بھی زیادہ اور فوری نفع کی بنیاد پر اندھی لوٹ کھسوٹ کی گئی۔ ڈاکٹر فرزانہ احمد اس شعبے میں امریکہ سرمایہ کاری اور اس کے نفعوں کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ جس دوا کی قیمت امریکہ میں ایک روپیہ وصول کی جاتی ہے۔ وہ پاکستان میں ۷۹ روپیہ ۵ پیسہ میں بیچی جاتی ہے

بنیادی اور کلیدی صنعتوں کے شعبے کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔ فولاد سازی کا کارخانہ قائم نہ ہونے دیا گیا۔ پاکستان میں روس کی مدد سے لگنے والا اسٹیل ملز ابھی تکمیل کے مرحلوں میں ہے۔ مشین سازی، سیمنٹ اور پیٹرولیم وغیرہ میں بھی سرمایہ کاری نہ کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشینری اور آلات وغیرہ کے حصول کے لئے بڑے پیمانے پر درآمدات کا سہارا لیا گیا۔ اس سے قومی صنعت کا پھیلاؤ نہ ہو سکا۔

امریکہ نے پاکستان کو جو قرضے دیئے۔ وہ مکمل طور پر پرائیویٹ سیکٹر کو دیئے گئے۔ یہ سرمایہ ان صنعتوں میں لگایا گیا جن میں نفع زیادہ اور فوراً وصول ہو سکتا تھا۔ صنعت کاری ناہموار انداز میں آگے بڑھی اور امریکی سرمایہ داروں نے بہت کم سرمایہ کاری کے باوجود بڑے منافعے حاصل کئے۔ اس کھیلے میں مقامی گماشتہ سرمایہ دار نے بھی جی بھر کر اپنے ہاتھ رنگے۔

سوشلسٹ ملکوں سے پاکستان کی تجارت بہت بعد میں جا کر شروع ہوئی۔ سوشلسٹ ممالک مال کے بدلے مال کی بنیاد پر تجارت کرتے ہیں۔ اب بھی سوشلسٹ ممالک سے ہماری تجارت کی شرح امریکہ اور دوسرے سرمایہ دار ملکوں برطانیہ، فرانس، مغربی جرمنی اور جاپان وغیرہ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

اس سیاسی، معاشی، ثقافتی اور تجارتی جائزے سے جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امریکی (فوجی اور معاشی) امداد کے مقاصد سراسر سیاسی رہے ہیں اور جہاں سیاست براہِ راست ملوث نہیں ہوئی وہاں اندھے منافعے کمائے گئے ہیں۔ اس امداد نے ہم سے نہ صرف ہماری آزادی سلب کر لی ہے بلکہ ہمیں اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے بھی یکسر محروم کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہماری سیاست بے آبرو، معیشت تباہ اور تشخص گم ہو چکا ہے۔ آج ہمیں سوچنا اور فیصلہ کرنا ہے کہ آیا ہم امریکی امداد کے لئے مزید ٹھوکریں کھائیں یا ایک آزاد خارجہ پالیسی کی بنیاد پر غیر جانبدار اور سوشلسٹ ممالک کے ساتھ اپنے روابط بڑھاتے ہوئے اس امداد پر انحصار کریں جو ہماری سیاسی آزادی پر حملہ نہیں کرتی اور ہمارے من حیث القوم جینے کے حق کا احترام کرتی ہے

قومی ترقی پارٹی کا قیام

"ندائے انقلاب" لاہور کے بانی جناب رضا کاظم "قومی ترقی پارٹی" کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت بنا رہے ہیں اور وہ اس کے عبوری کنوینر ہوں گے معلوم ہوا ہے کہ سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کے بعد پارٹی کا ایک ملک گیر کنونشن طلب کیا جائے گا۔ اس کنونشن میں شرکت کے لئے "ندائے انقلاب" کی سوچ رکھنے والوں، ترقی پسندوں اور جمہوریت پسندوں کو دعوت دی جائے گی۔

"قومی ترقی پارٹی" کا مقصد عوام کے ترقی پسند عناصر پر مبنی ایک جمہوری طاقت کو مجتمع کر کے اور تنظیم دے کر اس کے ہاتھوں میں ریاستی اقتدار سونپنا بتایا گیا ہے۔ جناب رضا کاظم کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے دو تین ماہ کے غور و فکر کے بعد اس پارٹی کے قیام کا فیصلہ کیا ہے۔

دارالعلوم اکوڑہ خٹک نئے چہرے یا تربیتی مرکز

پی، آئی، اے افغانوں کے ساتھ امتیازی سلوک

اساف شاجک

افغانستان کے حالیہ انقلاب کے مثبت اثرات جہاں افغانستان کی سیاسی اور معاشی زندگی پر مرتب ہو رہے ہیں، وہیں ان اثرات کا دائرہ عمل ایک منطقی نتیجے کے طور پر سعودی عرب سے سنگاپور تک پھیلے ہوتے امریکی بلیٹ پر بھی ظاہر ہونے لگا ہے۔ پاکستان کی بات تو الگ ہے کہ یہاں کی تمام منفی قوتیں جن کا کسی نہ کسی طور تعلق سامراجی بھیڑیوں سے ہے، افغانستان کے انقلاب کی مذمت کر رہی رہیں، لیکن افسوس تو اس بات پر ہے کہ انقلاب، افغانستان کے بعد ہزاروں کی تعداد میں افغانی باشندوں کو سعودی عرب سے نکال کر سعودی عرب نے اپنے ایسے رشتوں کی نشان دہی کر دی ہے، جو امریکی سامراج کے پنجوں سے نجات کی خواہش رکھنے والی مسلمان اقوام کے لئے قطعی پسندیدہ نہیں ہو سکتے۔

اس وقت پشاور اور پاک افغان سرحد پر ہزاروں کی تعداد میں سعودی عرب سے نکالے جانے والے وہ مزدور کارکن پڑے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے سعودی عرب کی تعمیر نو میں اپنے خون کو شامل کیا ہے۔ لاکھوں پاکستانیوں کے ساتھ ہزاروں پشتو بولنے والے یہ افغانی باشندے برسہا برس سے سعودی عرب میں رہ رہے تھے۔ اور اپنے وطن اپنے بال بچوں سے ہزاروں میل دور عرب کے ریگستانوں میں اپنی کڑیل جوانیوں کو وقت سے پہلے بڑھاپے کا شکار کر کے ریگستانوں کو نخلستانوں میں بدل رہے تھے۔ ایک باعزت مزدور کی بجائے تیسرے درجے کے انسان سمجھے جانے اور جانوروں کی طرح زندگی گذارنے کے باوجود یہ لوگ سعودی عرب کو مقدس سرزمین سمجھتے ہوئے اس کو گلزار بنانے میں مصروف تھے۔ اب تک ان مزدوروں سے سعودی حکومت کو کوئی شکایت نہ تھی۔ ظاہر شاہ کے زمانے سے لے کر سردار داؤد کی حکومت تک ان کا لہو اور پسینہ گارے میں مل کر سعودی عرب میں بڑی بڑی بلڈنگیں کھڑی کرتا رہا۔ لیکن جوں ہی جناب تراہ کی نے امریکی جبریت سے افغانستان کو آزاد کرا کر عوام کو معاشی اور سیاسی آزادی کی زندگی کی راہ پر ڈالا سعودی عرب میں کام کرنے والے افغانستان مزدوروں پر زندگی کو تنگ کر دیا گیا۔ اور ایک فرمانِ شاہی کے ساتھ ہزاروں افغان باشندوں کو ملازمتوں سے برطرف کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔

سعودی عرب سے پی آئی اے کے ذریعے پشاور پہنچنے والے ایک افغان باشندے نے جو لرزہ خیز واقعات سنائے ہیں، اور جس طرح انہیں کام سے الگ کرنے سے پی آئی اے کے ذریعے پشاور پہنچنے تک جس عذاب ناک لمحوں سے دوچار ہونا پڑا، اس میں سفارتی آداب مانع نہ بھی ہوں تب بھی قلم ان دلخراش واقعات کو تحریر کرنے سے عجز کا اظہار کر دے۔ ایک مزدور کے مطابق انہیں ملازمت سے الگ کر دیا گیا اور جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور جوں جوں جہاز میں جگہ ملتی انہیں ایئرپورٹ پہنچا دیا جاتا ان کا سامان تک ان تک نہیں پہنچا یا جاتا اور جو کچھ بھی ان کو ملا غنیمت جان کر وہ جہاز میں سوار ہو جاتے۔

سعودی عرب سے افغان باشندوں کا انخلاء

وہاں سے آنے والوں نے افغان باشندوں کی تعداد ۲۲ ہزار بتائی ہے جب کہ بعض کے مطابق ۱۶ ہزار افغان باشندے سعودی عرب میں کام کرتے تھے۔ سعودی عرب کے ساتھ ساتھ پی آئی اے والوں کا ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک ایک الگ داستان ہے، جوں توں کر کے جب یہ لوگ کراچی پہنچے تو کراچی سے پشاور آنے کے لئے (کہ اکثر کے ٹکٹ جدہ سے پشاور تک کے تھے)۔ انہیں بھاری رقوم پی آئی اے کے عملے کو ادا کرنی پڑتی، کسی نے سامان کی زیادتی کا کرایہ ادا کیا، تو کسی نے سیٹ حاصل کرنے کیلئے رقوم پیش کیں۔ اور جو لوگ اس پوزیشن میں نہیں تھے، انہیں ہفتوں پی آئی اے کے باہر کھلے فرش پر راتیں گزارنی پڑیں۔

ایک پڑھے لکھے افغانی سے جب اس بارے میں پوچھا گیا کہ آخر سعودی عرب نے یک لخت ان سے یہ سلوک کیوں کیا۔ اس نے بتایا کہ سعودی حکومت ایک عرصہ سے غیر قانونی داخلہ حاصل کرنے والے تارکینِ وطن کے خلاف اعلان کرتی رہی ہے۔ کیوں کہ پاکستانی افغانی، ہندوستانی باشندوں کے علاوہ دوسرے ملک جن میں عرب ملکوں کے لاکھوں رہنے والوں بھی شامل ہیں غیر قانونی طور پر کام کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک سعودی حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی سعودیہ سے نہیں نکالا۔ جہاں تک افغان باشندوں کے انخلاء کا تعلق ہے، ہم اس کو اگر بین الاقوامی سیاست کے پس منظر میں دیکھیں تو بات جلد سمجھ آ سکتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ سعودی عرب سے نکالے جانے والے افغانی زیادہ سے زیادہ ۵ فی صد ایسے ہوں گے جو غیر قانونی طور پر سعودی عرب میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ وگرنہ ۹۵ فیصد ایسے افغانی نکالے گئے جن کو باقاعدہ کام کرنے کے اجازت نامے اور کنٹریکٹ حاصل تھے۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے نکالے جانے میں انقلابِ افغانستان کا بڑا ہاتھ ہے، عرب عوام نہیں بلکہ وہاں کے مخصوص سیاسی حلقے افغان انقلاب کو سامراج دشمن تصور کرتے ہوئے اسے روسی اثرات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ سعودیہ میں اسے امریکہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے اور امریکیوں کو سعودی عرب میں بڑا ارفع و اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ افغانستان پاکستان کی طرح ایک غریب ملک ہے۔ جو لوگ باہر جا کر کام کرتے ہیں۔ ان خاندانوں کو ذرا آسودگی کے ساتھ روٹی ملنے لگتی ہے۔ چنانچہ افغان باشندوں کو سعودی عرب سے افغان انقلاب کے فوراً بعد نکالنے کا سبب یہ بھی تھا کہ افغان باشندے اس انخلاء کی ذمہ داری انقلابی حکومت پر ڈالیں گے اور چونکہ وہ اس سے بری طرح

متاثر ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ انقلاب اور انقلابی حکومت کے خلاف غیر شعوری طور پر کام کرنے لگیں گے، لیکن شاید ایسا نہ ہو، یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ افغان عوام سب کچھ قبول کر سکتے ہیں امریکی بالادستی قبول نہیں کر سکتے۔ چنانچہ افغانی باشندوں کو سعودیہ سے نکال کر جن نتائج کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ شاید وہ کبھی بھی برآمد نہ ہو سکیں۔

ان دنوں بعض اہم مقامات پر کچھ اجنبی مولوی چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ کون ہیں۔ ان کے مقاصد کیا ہیں اور کس لئے جمع ہوتے ہیں بکھر جاتے ہیں اور پھر نئے چہروں کے ساتھ اجتماع نظر آتا ہے یہ اب تک کھل کر سامنے نہیں آسکا۔ یہ لوگ جن کا سب سے بڑا اجتماع دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں دیکھا گیا ہے۔ اور دوسرا اسی دار العلوم کے ذیلی ادارے کا کشتال پشاور میں آج کل نظر آ رہا ہے۔ یہ دونوں ہی دار العلوم مولانا مفتی محمود کی جمعیت العلماء اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو نئے نئے چہروں والے مولویوں کے ان جتھوں سے کوئی حتمی نتیجہ نکالنا قبل از وقت ہوگا لیکن مولانا مفتی محمود کے بیانات اور "رویے" کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے انتہائی قریبی ذرائع کی اس بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ علماء یا تو کابل سے آئے ہوئے نئے لوگ ہیں یا برسوں سے اس علاقے میں آباد کابلی، جنہیں افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لئے یہاں تربیت دی جا رہی ہے۔ ان ہی ذرائع کے مطابق اس خطے سے کابل حکومت کے خلاف وہی حربہ استعمال کیا جائے گا جو امان اللہ خان کی حکومت کے خلاف ملاں شور بازار کے ذریعے برطانوی سامراج استعمال کر چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ کون ہیں اور پاکستان کی سرزمین کو ایک دوست ملک کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت کس نے دی۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے نہ صرف سرحد بلکہ پاکستان بھر کے عوام کے ذہنوں میں اندیشوں کے طوفان کھڑے کر دئے ہیں، بلکہ حکومت کے لئے بھی یہ لمحۂ فکر یہ مہیا کرتا ہے کہ مبادا اس کاربد میں حکومت کا نام استعمال کر کے پاک افغان تعلقات کی اس خلیج کو

فرشتوں کا انصاف

بھی آخر کوئی چیز ہے

شبیہ الحسن

۹ سالہ ثمرین کی موت ایسی نہیں جسے آسانی سے فراموش کر دیا جائے۔ دن دھاڑے قتل کی یہ واردات ایک ایسے دور میں ہوئی ہے جب آسمان کی نیلگوں وسعتوں سے اترے ہوئے فرشتے حق و انصاف کا طبل بجا رہے ہیں۔ نواب کے قتل کے الزام میں سابق وزیراعظم جیل کی

گڑیا ثمرین جسے ایک پولیس افسر نے توڑ دیا

تنگ و تاریک کوٹھری میں زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ سابق سیاستدان بداعمالیوں کے نتیجے میں دھڑا دھڑ نااہل قرار دیئے جا رہے ہیں۔ ان کے گھناؤنے جرم کے بارے میں قرطاس ابیض شائع کئے جا رہے ہیں۔ ناجائز املاک و دولت اور کمائیاں باہر نکل رہی ہیں۔ سرمایہ دار، جاگیردار اور غریب مخلوق پر ظلم ڈھانے والے انصاف قریب دیکھ کر لرزہ براندام ہیں۔ چور بازاری، منافع خوری، ملاوٹ، اسمگلنگ اور اخلاقی برائیاں دم توڑ چکی ہیں۔ پوری خلقت "فرشتوں" کے گن گا رہی ہے، دعائیں مانگ رہی ہے کہ "اللہ انہیں اس وقت اٹھا جب پوری زمین خلق انسانی سے خالی ہو جائے۔ ایسے لوگ روز روز کہاں آتے ہیں"۔

چنانچہ ایک ایسے دور میں جب ہر طرف دادرسی کا چرچا اور شور ہو۔ اور لوگ چلا رہے ہوں کہ بس وہ دن آگئے جس کے انتظار میں ہمارے اجداد کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں، ایک پیاری، پیاری گڑیا سی بچی کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز اور ڈیٹ فیڈرس کے مقتولین کا نام نہ لیں، کیونکہ وہ حق و انصاف کے اس دور کو تسلیم نہیں کرتے تھے "شرپسند" اور "باغی" تھے۔ فرشتوں کے انصاف پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ اور کہتے تھے حقداروں کو حق دیا جائے۔ حالانکہ آسمانی فرشتے کافی سرگرمی سے یہی کام انجام دے رہے

مشتعل ہجوم نے ریلیف سارجنٹ کی کار کو نذر آتش کر دیا ہے

...ایسے لوگ روز روز کہاں آتے ہیں

بڑھانے کا سبب نہ بن جائے جو بعض ناعاقبت اندیشوں کی وجہ سے پہلے ہی اندیشوں کے پل باندھ رہا ہے۔

۴ راگست کی صبح ایس پی پی کے صدر دفتر میں مزدور، کسان، طلبا، صحافی اور وکلاء کے علاوہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس ٹیلی فون انڈسٹریز یونین کے سکریٹری جنرل سید عابد حسین شاہ کے اعزاز میں برپا کیا گیا تھا جو حال ہی میں رہا ہو کر آئے تھے۔ اجلاس میں شریک رہنماؤں نے سید عابد کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کے حوصلوں سے تحریک کو ایک نیا ولولہ اور انداز ملا ہے اور اب صرف سید عابد ہی نہیں بے شمار کارکن خود کو جبر کے خاتمے کے لئے پیش کر چکے ہیں اور بے شمار اس جدوجہد میں ہنوز مصروف ہیں۔ سید عابد شاہ نے بتایا کہ انہیں زبردست پولیس تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انہیں کئی دن تک ننگا رکھا جاتا اور ہر ہر انداز کا تشدد ان پر آزمایا جاتا! انہیں مختلف تھانوں میں بھجوایا جاتا اور تازہ دم سپاہی ان پر جبر و ظلم کے پہاڑ توڑ دیتے۔ وہ ٹی بی کے مریض ہیں۔ لیکن پولیس کا یہ تشدد انہیں ان کے راستے سے نہیں ہٹا سکا۔ اور آج اسی ظلم و تشدد نے یہاں سب طبقوں کے ہی نمائندوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں میری قربانی قبول ہو گئی۔ جب ظلم ایک قدم بڑھتا ہے تو مظلوموں کا اتحاد دو قدم آگے آتا ہے۔ اب وقت ہے کہ اس تشدد کو روکنے کے لئے تمام مظلوم طبقے کو ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیں۔

اس اجلاس میں کراچی کے صحافیوں کی جدوجہد پر انہیں مبارکباد پیش کرتے ہوئے ہر طرح سے ساتھ ہونے کا یقین دلایا گیا۔ اجلاس نے کہا کہ جب بھی صحافی آواز دیں گے، سرحد کے غیور پختون اپنے بھائیوں کی جدوجہد میں شریک ہو جائیں گے۔

اس اجلاس کی صدارت گل رحمٰن صدر مزدور رابطہ کمیٹی سرحد نے کی اور اجلاس سے گل رحمٰن، سید قمر عباس، عارف سرحدی، بیگم شاہدہ اور سید عابد شاہ نے خطاب کیا۔

●●

ایم اے جناح روڈ پر قاتل کرین ٹرک جس کے نیچے معصوم ثمرین کا خون بکھرا ہوا ہے۔ عوام کے پتھراؤ کے بعد ٹریفک معطل ہو گیا

رہیں۔ لہٰذا اگر ان کا سینہ پولیس کی گولیوں سے چھلنی ہوا ہے تو یہ ظلم نہیں، عین انصاف ہے۔ فرشتوں کا یہی کہنا ہے یہی دعویٰ ہے۔

بے بی ثمرین جن پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہوئی، اس واردات کے عینی گواہوں کا بیان ہے کہ جب پولیس کے ایک افسر نے ہلمٹ نہ پہننے پر اس کے چچازاد بھائی کو تھپڑ مارا تو وہ اسکوٹر کا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ گڑیا ثمرین اسکوٹر سے نیچے گر گئی۔ اس دوران عقب سے آنے والی گاڑی اس کے پھول جیسے کومل جسم کو روندتی ہوئی آگے نکل گئی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر پولیس افسر تھپڑ نہ مارتا تو ثمرین اسکوٹر سے نہ گرتی۔ اور اس کے جسم سے دوسری گاڑی گذر کر اسے موت سے ہمکنار نہ کرتی۔

اس واقعہ پر لوگوں کا مشتعل ہونا ایک فطری بات تھی۔ جب ہر طرف انصاف کا بول بالا ہو رہا ہو تو اس "نا انصافی" کی کیا ضرورت تھی۔ مشتعل ہجوم نے کانسٹیبل اور انسپکٹر کی وردی پھاڑ دی۔ اور اس کے اسکوٹر کو نذرِ آتش کر دیا، تین گھنٹے تک ایم اے جناح روڈ پر ٹریفک معطل رہی۔

دوستو، عزیزو، رفیقو۔ تمہارے غم و غصہ اور نفرتوں کا بھرپور اظہار اپنی جگہ پر۔ مگر فرشتو۔۔۔ انصاف بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک فرشتے نے ہجوم سے خطاب کیا۔ اور لوگ انصاف۔ انصاف پکارتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ پولیس والوں نے اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھا۔ اور شکر ادا کیا کہ دو وردیوں اور ایک موٹر سائیکل کی تباہی پر جان چھوٹ گئی۔ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے فرشتوں سے جھوٹ کے ذریعے اپنی بربریت اور درندگی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ثمرین کا چچازاد بھائی ٹریفک کی خلاف ورزی کر رہا تھا اور جب ایک کانسٹیبل نے اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ دیکھا آپ نے انصاف کی کتنی شکلیں ہوتی ہیں۔ کتنے روپ ہوتے ہیں۔ انصاف تو ملتا ہے مگر کس شکل میں کون جانے۔ یہ تو اللہ کے پراسرار بندے ہی جانتے ہیں۔ ہم اور آپ کتنے سیدھے اور معصوم ہیں۔ جھوٹے وعدوں اور بہانوں ہی سے بہل جاتے ہیں۔

کیا اس قسم کا واقعہ پہلی بار ہوا ہے۔ جی نہیں، پولیس کے ہاتھوں نجانے کتنی سہاگنوں کی مانگ اجڑ چکی ہے۔ کتنی ماؤں کے گود خالی ہو چکے ہیں، کتنی بہنیں دروازے پر کھڑی ہوئی ابھی تک اپنے بھائیوں کی منتظر ہیں۔ مگر جو لوگ پولیس کے ہاتھوں شکار ہوئے وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے، نہ آئیں گے۔

اس میں پولیس والوں کا بھی قصور نہیں۔ قصور تو اس نظام کا ہے جس میں محدود اور بالائی طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لئے یہ ادارہ قائم کیا گیا۔ غلامی کے دور میں برطانوی سامراج نے اس کا خاکہ تیار کیا۔ اور مخصوص انداز سے تربیت دی گئی۔ ان سے یہی کہا گیا کہ تمہیں حکمرانی کرنے والے طبقات کے تحفظ کے لئے بنایا گیا ہے۔ ان کا حکم مانو، باقی لوگوں پر حکم چلاؤ۔ ڈنڈے برساؤ، تشدد کرو، اور مار ڈالو۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں جائے گی۔ ملک آزاد ہو گیا مگر ادارے کا تربیتی نظام آزاد نہ ہوا۔ اسی ڈھب پر چلا آ رہا ہے۔ اس میں معمولی سی تبدیلی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ پچھلے تیس سالوں کا ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیجیئے۔ لاتعداد بے گناہ افراد پولیس کے تشدد کا نشانہ بن کر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب اگر کوئی فرشتہ اپنے انصاف کا ترازو ہلاتا ہوا یہ کہے۔ ثمرین کی موت ایسا کوئی بڑا واقعہ نہیں ہے جس پر بلا وجہ تین ساڑھے تین گھنٹے تک ٹریفک کو معطل کر دیا جائے اور ہجوم پولیس والوں کی وردی پھاڑ دے۔ تو ہمیں اس فرشتے کی باتوں پہ یقین کر لینا چاہیئے کہ اب جس کے ہاتھوں میں انصاف کا ترازو ہے۔ چاہے انصاف دے یا ڈنڈی مارے ہمیں تو یہی کہنا ہے کہ ہر طرف چین ہے، سکون ہے آرام ہے۔ حق و انصاف کا بول بالا ہے۔

مارشل لا کابینہ میں بھی "لاڑکانہ" بدستور موجود ہوگا !

یہ منگل ۸ اگست کی بات ہے۔ خلافِ معمول پریس کلب پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ باہر لان میں پندرہ بیس افراد کلب کے صدر نثار چنہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ خیال ہوا شاید کوئی ملاقاتی ہوں گے۔ رسماً ملنے آگے بڑھا۔ بے خواب ستے ہوئے چہرے، ابڑھی داڑھیوں سے لدی مصیبت زدہ مجھ میں آئے۔ چنہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ہاتھ ملانے سے پہلے ہی بول پڑے کہ بھائی پہلے ان لوگوں سے ملو۔ یہ اپنے صحافی بھائی ہیں۔ جیل سے رہا کرکے حیدرآباد پہنچائے گئے ہیں۔ ان میں مشرق پشاور کے حبیب الرحمٰن تھے۔ ملتان کے ولی محمد واجد اور مسخنی اور گوجرہ فیم ناصر زیدی تھے۔ فیصل آباد کے مسعود قمر اور آغا احباب خاور تھے۔ لاہور کے محمد ایوب، زبیر احسان، افتخار احمد، سلیم شاہ، غلام ربانی، اور ریاض بھٹی تھے۔ سکھر کے بشیر بھٹی اور غلام نبی تھے۔ ہاری کارکنان سلیمان لُنڈ، علی محمد سوڈھو اور غلام رسول زنگیجو تھے اور بلڑی شاہ کریم کے محمد سومار صاحب شامل تھے۔ اندرون سندھ کے صحافیوں اور ہاری کارکنوں کو پریس کلب میں دیکھ کر چنداں حیرت نہ ہوئی کہ انہیں کراچی بدر کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کراچی کے بعد دوسرا شہر حیدرآباد ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن حیرت پنجاب اور سرحد کے صحافیوں کو دیکھ کر ہوئی کہ انہیں تو سندھ بدر کیا گیا تھا۔ اندرونِ سندھ کے انتہائی اہم شہر حیدرآباد میں ان کی موجودگی یقیناً باعثِ حیرت تھی پوچھا "یارو! صوبہ بدری کی یہ کون سی قسم ہے کہ صوبے کے اندر ہی نظر آرہے ہو"۔!

ولی محمد واجد صاحب ترجمان بنے، بتانے لگے کہ بھائی سرکار کی کرشمہ سازی ہے۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے "الطافِ خسروانہ" کے طور پر بطور "گڈ ول" ہماری جیل سے رہائی اور صوبہ بدری کا قوم کے سامنے اعلان کیا تھا۔ ہم بھی یہی سمجھے تھے کہ ہمیں ہمارے شہروں یا حدودِ سندھ سے باہر پہنچایا جائے گا۔ اسلئے جب رات کو پونے ایک بجے ہماری بیرکوں کا دروازہ کھلا اور ہمیں دفتر کی طرف لایا گیا تو ہمیں حیرت نہیں ہوئی۔ دفتر میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہمیں باہر لے جایا جا رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ رات کے ایک بجے ہم جیل سے باہر نہیں جائیں گے۔ ہمیں صبح نکالا جائے لیکن لانڈھی جیل کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لنپے (LUNPE) نے بتایا کہ اوپر کے احکامات یہی ہیں۔ گرفتاری کے وقت ہمارا سامان تھانے میں ہی رکھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ ہم نے سامان کے حصول کا عذر پیش کیا۔ کہا گیا کہ آپ کو وہیں روانہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کا سامان آپ کے حوالے کیا جائے گا۔ آپ لوگوں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا ہے۔ ہم ان کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے۔ قیدیوں کی بند گاڑی میں بٹھا سوار ہوگئے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد ٹرک کے ہچکولوں میں اضافہ ہوگیا۔ اور بتدریج شہر کی روشنیاں بھی کم ہوتی نظر آئیں تو ہم نے سپاہیوں سے پوچھا ہمیں کہاں لے جا رہے ہو۔ تو انہوں نے ہمیں خاموش رہنے کی دھمکی دی۔ ہم نے شور مچا کر ٹرک رکوانا اور صورتِ حال سمجھنا چاہی۔ جواباً پولیس کی گالیوں کے علاوہ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد ہمارا پنجرہ سپرہائی وے پر رینگنے لگا۔ رات کے ساڑھے چار بجے کے قریب ٹرک سپرہائی وے پر کسی ہوٹل کے سامنے رکا۔ فرنٹ سیٹ سے اے ایس آئی اور پولیس کے سپاہی اتر کر چائے پینے لگے۔ ایک دفعہ پھر ہم نے شور کرکے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ انہیں سے کہا کہ ہمیں بھی نکالو تاکہ سحری کھا کر روزہ رکھ سکیں۔ لیکن اے ایس آئی نے گالیاں دیکر بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ ہمارے اصرار پر کہنے لگا کہ اوپر سے ایسے ہی احکام ملے ہیں۔ تم لوگوں نے بھوک ہڑتال کی تھی۔ اب تو بھوکا پیاسا ہی رہنا ہوگا۔ یہ سن کر ہم نے کہا چلو بھوکا پیاسا ہی رکھو لیکن حوائج ضروریہ سے فراغت کے لئے تو باہر نکالو۔ بڑی ردوقدح کے بعد پولیس والے اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ایک آدمی باہر نکالا جائے۔ سب سے پہلے پشاور کے عبدالرشید عباسی اترے، ابھی پیشاب سے فراغت بھی نہ پا سکے تھے کہ اے ایس آئی اور دوسرے پولیس والوں گاڑی میں واپس سوار ہوکر گاڑی چلا دی۔ ہم نے شور کیا لیکن وہاں گالیوں کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ اسی حالت میں تقریباً پونے چھ بجے صبح ہمیں حیدرآباد ریلوے اسٹیشن پر اتار کر پولیس پارٹی چلی گئی۔ اب حالت یہ ہے کہ ہمارا سامان اور پیسے تھانے میں جمع ہیں۔ ہم خالی ہاتھ خالی جیب اور بھوکے پیٹ آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

سحری کھانے کی اجازت طلب کرنے پر گالیاں کھلائی گئیں

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے "غیر مشروط رہائی" کا فراڈ کھیلا

سیاسی قیدی مٹی کھودتے ہیں

ہمارے ملک میں جمہوریت پسندی ہر دور میں ہی جرم قرار پاتی رہی ہے۔ جمہوریت کا پرچم بلند کرنے کی پاداش میں زنداں کی چہار دیواری مقدر رہی ہے لیکن جمہوریت کے شیدائی بھلا زنداں کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ جہاں جمہوریت کے حصول کی جدوجہد میں شدت آئی ہے وہیں جمہوریت دشمن قوتوں نے بھی اپنے تشدد میں اضافہ کیا ہے۔ اب جب کہ ملک میں اسلام نافذ کر دیا گیا ہے اور سمبل "کوڑا" ٹھہرا ہے ملک میں قتل، ڈاکہ، چوری، اغوا، زنا، رشوت اور دیگر جرائم کل بھی ہوتے تھے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ لیکن کوڑوں کی سزا کا اصل مستحق چند ایک موقعوں کو چھوڑ کر سیاسی کارکن قرار پایا ہے جمہوریت اور جمہوری آزادی کا مطالبہ حکمرانوں کے لئے چڑ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

گذشتہ دنوں صحافیوں نے قلم کی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ قید و بند اور کوڑے سے نوازے گئے۔ قلم کی آزادی کی حمایت میں طلباء، مزدور اور ہاری رابطہ کمیٹی کے پرچم تلے حیدرآباد میں مزدوروں، ہاریوں اور طلباء نے بھی بھوک ہڑتال کر کے گرفتاری دی۔ دو درجن کے لگ بھگ ارکان گرفتار ہوئے۔ قید بامشقت کے ساتھ کوڑوں کی سزا سے نوازے گئے۔ قید میں ڈال کر بھی جب جذبۂ انتقام سرد نہ ہوا۔ تو اذیت پسند طبیعت نے ضمیر کے ان قیدیوں کو سیلاب کے بچاؤ کے پشتوں پر مٹی کھودنے پر لگا دیا ہے اطلاعات کے مطابق مزدور لیڈر شمیم واسطی، قلندر بخش مہر، سید عابد علی شاہ، محمد بخش بلونج، تاج مری اور ان کے ساتھیوں کو جامشورو کے آس پاس مٹی کھودنے پر لگا دیا گیا ہے۔

اسیران آزادی صحافت کی کلب میں موجودگی کی خبر دیگر صحافیوں کو ملنا شروع ہوئی۔ مساوات کے علی حسن پہنچے۔ یونین آف جرنلسٹ کے صدر سلیم قریشی، صداقت کے پیر کبیر، سندھ نیوز کے شمشیر خاصخیلی، عبرت کے عبدالغنی درس اور حیات جونیجو، سندھ ٹائمز کے ڈیپلائی اور دیگر صحافی یکے بعد دیگرے کلب آتے گئے۔ اذیت پسندی کی انوکھی اور دلچسپ مثال پر سرکار کے حسن انتظام کی داد دیتے رہے۔ رشید عباسی کے بارے میں سب ہی فکرمند تھے کہ اس دوران رحیم بخش جتوئی، راولپنڈی کے ظفر عالم، کوئٹہ کے قیصر محمود بٹ اور ... ٹائمز کے اچی میمن کے ساتھ پریس کلب پہنچے۔ پتہ چلا ان حضرات کو حیدرآباد سنٹرل جیل سے رہا کیا گیا ہے۔ ان حضرات ... بدری کے احکامات کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کے ... وارنٹ بھی دیا گیا۔ اندرون سندھ کے صحافی اور ہاری رہنما ... تو شام سے ہی پہلے چلے گئے۔ البتہ پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے صحافیوں کو رات تک رکنا پڑا۔ چلئے اس بہانے ہمیں ان مجاہدین سے ملنے کا موقع مل گیا۔ یہ بھی سرکار کی مہربانی تھی — واقعی! فیاضی ہو تو ایسی۔

شہر بدر اور صوبہ بدر ہونے والے صحافیوں نے ایک مشترکہ بیان کے ذریعہ سندھ کے معروف ہاری کارکن جناب شیر خان لُنڈ کی گرفتاری کراچی کے علاقے صدر میں صحافیوں اور راولپنڈی میں مزدوروں پر پولیس لاٹھی چارج کی پُرزور مذمت کی۔ صحافیوں نے کراچی میں ٹریفک پولیس کے ہاتھوں معصوم طالبہ ثمرین کی ہلاکت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے۔ پولیس کی بہیمیت پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ صحافیوں نے مطالبہ کیا کہ عوام پر پولیس کا تشدد بند کیا جائے اور ثمرین کے قتل کے مرتکب سب انسپکٹر کو فوری طور پر گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

ادھر تو یہ کچھ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف سیاسی یتیموں نے مارشل لاء کے تحت بننے والی کابینہ میں سرکاری شرائط پر حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مسلم لیگ تو پہلے ہی وزارت کی کرسی سنبھال چکی ہے۔ اب صرف جماعت اسلامی والے پروفیسر اور اپنے مولانا "جانو" یعنی جان محمد عباسی کی شمولیت کا رسمی اعلان ہونا ہے۔ "لاڑکانہ" لاڑکانہ ہے کہ اب پھر حکومت میں ہو گا۔ چانڈکا میڈیکل کالج کے انتخابات میں اپنے سرداری مولانا طفیل محمد اور مولانا جانو کے انتخابی کیمپ اور ہفتہ بھر کی سر توڑ کوشش کے باوجود ناکامی کا حساب کتاب تو وزارت کے بغیر ممکن نہیں ہے پھر بھلا مولانا جان محمد عباسی وزیر کیوں نہ بنیں؟ مسلم لیگ گو کہ وزارت سنبھال چکی ہے۔ لیکن سندھ میں اصلی تے وڈے مسلم لیگی سید ذوالفقار علی شاہ جاموٹ شدید طیش میں ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں کہ ان کی وزارت کا مسئلہ تو اب تک کھٹائی میں پڑا ہے لیکن مسلم لیگ میں ان کے رقیب محمد خان جونیجو نہ صرف وزیر بن چکے ہیں بلکہ بطور وزیر سندھ میں شہر شہر کا سرکاری دورہ کر کے ان کے سینے پر مونگ دلتے پھر رہے ہیں۔ مسلم لیگ جاگیردارانہ باقیات کی نمائندہ ہے۔ اب وہ پہلی سی بات تو نہیں رہی ہے لیکن چند گنے چنے نام اب بھی دلوں کو گرمانے کے لئے موجود ہیں۔ ان میں "منی بیگم" خاصی نمایاں ہیں۔ منی بیگم کی اہمیت شائد ہم پر زیادہ نمایاں نہ ہوتی۔ لیکن آج کل اکثر پرانے مسلم لیگی ؎

اب یہ کہتے ہیں ہم سے یہ اہلِ چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

شعر پڑھ پڑھ کر منی بیگم کو یاد کرتے نظر آتے ہیں۔

صاحبو! سیاست دانوں کے احتساب کی اہمیت کو تو وقت کی گرد نے خاصا دبا دیا ہے۔ لیکن عوام کے لئے کبھی کبھی دلبستگی کا کچھ سامان مل ہی جاتا ہے۔ اب اسی ہفتے سندھ سے ایک سابق سینیٹر سید قربان علی شاہ کے سلسلہ میں ٹریبونل نے فیصلہ کا اعلان کیا ہے۔ اور انہیں الزامات سے بری قرار دیا ہے۔ اور قربان علی شاہ کا تعلق تھرپارکر سے ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے وقت موصوف پیپلز پارٹی تھرپارکر کے صدر تھے۔ پرمٹ، لائسنس اور ہر قسم کی عنایات سے فیض یاب ہوئے "وفاداری" کی قیمت سینیٹ کی رکنیت کی شکل میں پائی۔ دیہی ترقیاتی پروگرام کے سلسلہ میں تھرپارکر کی ترقی کے لئے کروڑوں کی رقم رکھی گئی۔ روپے تو خرچ ہوئے لیکن کام کہیں دکھائی نہ دیا۔ لوگوں نے شکایت کی کہ رقم خرد برد ہو گئی۔ معائنہ ٹیمیں مقرر ہوئیں۔ ٹیم میں صحافیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ معائنہ ٹیم کے مطابق ترقیاتی فنڈ کی خرد برد میں سر فہرست تھرپارکر قرار پایا۔ خبر بھی چھپی لیکن ظاہری طور پر کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ شاہ صاحب نے مارچ انتخابات کے لئے پارٹی ٹکٹ مانگا۔ لیکن انہیں ٹکٹ نہیں دیا گیا۔ جولائی میں مارشل لاء لگا۔ حکومت بدلی تو شاہ صاحب نے بھی راتوں رات کیچلی بدلی مسلم لیگ سے وابستگی کا اعلان کیا۔ پیپلز پارٹی میں شمولیت کو غلطی قرار دیا۔ پھر بھی ان کا معاملہ احتسابی ٹریبونل کے حوالے کیا گیا۔ سخت فکرمند تھے۔ بہرحال کوئی پرانی نیکی کام آئی۔ اللہ نے سنی سابق صوبائی وزیر عبداللہ بلوچ، سابق رکن قومی اسمبلی رئیس عطا محمد مری (دوبارہ مسلم لیگی ہو چکے ہیں) کے جلو میں الزامات سے بری ... قرار پا گئے۔ ●

سرکار ایک بار پھر "سازش" کی بو سونگھ رہی ہے

احسان عظیم

جنرل ضیاء کی مینگل اور مری سے بات چیت ناخوشگوار تھی

پتہ چلا ہے کہ فیڈرل انوسٹی گیشن یونٹ ۱۱۱ ۶ ڈویژن ۶ قلی کیمپ کوئٹہ کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق گزشتہ دنوں اندرونِ سندھ سے گرفتار متعدد طلباء کو بلوچستان میں قائم "تحقیقاتی کیمپوں" سے گھما پھرا کر ایف آئی یو ۱۱۱ ۶ میں پہنچایا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایس این ایس ایف کے مرکزی صدر نذیر عباسی کو بھی اسی کیمپ میں رکھا گیا ہے۔ "غیر قانونی" پمفلٹ کے الزام کے تحت اندرونِ سندھ سے گرفتار طلبہ، گھنشام دیپک، کندھ کوٹ شاکر شاہ خیر پور، فیض سومرو اور اشوک کو "بھرپور تحقیقات" کے بعد کھلی ہوا میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ سرکار ایک دفعہ پھر "سازش" کی بو سونگھ رہی ہے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ایف آئی یو کے تحقیقاتی سرگرمیوں میں "ساوک" بھرپور عملی مدد کر رہی ہے۔ "ساوک" ایران کی خفیہ ایجنسی ہے۔ ساوک کی اندرونِ ایران "کارکردگی" کے نتائج تو اب پوری دنیا کے سامنے ہیں۔ وقت کے ساتھ "ساوک" کا دائرہ کار بڑھ رہا ہے۔ کوئٹہ سے آمدہ اطلاعات کے مطابق کوئٹہ اور بلوچستان کے اندر ساوک نے دولت کے دریا بہا کر بڑی تعداد میں مقامی ایجنٹ بھرتی کر لئے۔ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئٹہ کا ہر قابلِ ذکر ہوٹل ساوک کے ایجنٹوں سے بھرا دیکھا جا رہا ہے۔

بلوچستان میں بڑھتی ہوئی نقل و حرکت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ "سرکار کی گڈ ول" کے باوجود بلوچ سردار رام نہیں ہوئے ہیں۔ خصوصاً بی ایس او کا پریشر سرداروں

حکومت کی "گڈ وِل" کے باوجود بلوچی سردار رام نہیں ہو رہے ہیں

کے عوام کے مفادات کے خلاف کسی سمجھوتہ پر پہنچنے میں حائل ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے حالیہ دورے کے موقع پر سردار خیر بخش مری اور عطاء اللہ مینگل کی ملاقات کی روداد سے بڑھتی ہوئی تلخی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے

بتایا جاتا ہے کہ خیر بخش مری تو ملاقات کے درمیان ہی اٹھ کر چلے گئے تھے۔ جب کہ عطاء اللہ مینگل اور جنرل ضیاء کے درمیان بات چیت کو خوشگوار نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ بابائے مذاکرات نے اب بھی سمجھوتے کی امید دلا رکھی ہے۔

بلوچستان میں عام معافی کی مدت کو ۳۰ ستمبر تک بڑھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مدت کے دوران "ڈیٹ اینڈ سی" کی کیفیت برقرار رہے گی۔ ایس این ایس ایف بی ایس او اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور اس کے اکثر عہدیدار پہلے ہی تحقیقات کا سامنا کر چکے ہیں لیکن بلوچستان کے رزاق بگٹی، رفیق کھوسو، ڈاکٹر مالک اسحاق مغیری، اسلم کرد، اور بلوچستان کے معروف لیبر لیڈر عبدالخالق کی تحقیقات کے لئے سرگرمی سے تلاش ہے۔ جب کہ سندھ سے غلام حسین شر، صفت زند غلام رسول سہتو اور گھنشام پرکاش کی گرفتاری کیلئے بھاگ دوڑ جاری ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ تحقیقات کے دائرے میں "اسلحہ" کی ترسیل بھی شامل ہے۔ کویت

میں پکڑے جانے والے اسلحہ کے بہانہ کے ذریعہ سازش کی کڑیوں کو تقویت دی جا رہی ہے ۔ صف اول کے لیڈروں نواب اخیر بخش مری، نیر محمد بلوچ، معراج محمد خان، حبیب جالب اور محمد خان مینگل کو گو اب تک ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے ۔ لیکن ان لیڈروں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی ہے ۔ مبصرین کا خیال ہے کہ نگرانی کا تحقیقات سے گہرا تعلق ہے ۔ دوسری طرف سندھ کے جام ساقی کا نام فہرست میں جوڑا جا رہا ہے ۔ جام ساقی کا نام حیدرآباد سازش کیس کے مفرور ملزموں میں بھی شامل تھا ۔ کہا جا رہا ہے کہ حیدرآباد سازش کیس میں اصلیت تھی ۔ خامی صرف غلط افراد کی شمولیت تھی ۔ اگر ضرورت پیش آئی تو سازش کیس کی تجدید کی جا سکتی ہے ۔

جہاں تک بلوچستان کی صورتِ حال کا تعلق ہے تو وہ انتہائی گھمبیر ہے ۔ ابھی ایک ہفتہ قبل بی ایس او کے مرکزی دفتر جناح روڈ کوئٹہ میں مجید ڈے پر ایک جلسہ میں بی ایس او نے بلوچستان کے مسئلہ کے بارے میں حکومت کی پیش کش کو رد کر دیا ہے ۔ بلوچستان ٹیکسٹائل ملز بدستور بند ہے ۔ وادیٔ بولان میں کوئٹہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک سردار سے چودہ لاکھ کی خطیر رقم میں خرید کی گئی ۔ زمین پر ایران نے سیمنٹ کے کارخانے کی تعمیر شروع کر دی ہے ۔ سیمنٹ فیکٹری سائٹ پر گذشتہ دنوں مسلح چھاپہ ماروں کی کارروائی کا بھی پتہ چلا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ بی ایس او کی تنظیم میں بھی اپنے ایجنٹ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے ۔ بی ایس او کے ایک عہدیدار پر عام طور پر ساوک کے ایجنٹ ہونے کا شبہ کیا جا رہا ہے ۔

بلوچستان کی حیثیت ایک آتش فشاں کی مانند ہے آتش فشاں فی الحال سو رہا ہے ۔ لیکن اندر لاوا تیزی سے پک رہا ہے ۔ کب پھٹے گا ۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے ۔ لیکن دھماکہ کسی بھی وقت ہو سکتا ہے ۔

بیٹوں نے باپ کو قاتل ٹھہرایا

ناموں پر سرخ نشان لگا دیا گیا ہے

بلوچستان میں مخالفوں کے قتل کا کھیل

ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ" بچپن میں دادی اماں کی زبانی سُنی بیشتر کہانیوں کی ابتدا انہیں الفاظ سے ہوتی تھی ۔ گو آج بادشاہ نہیں رہے ہیں لیکن مزاج شاہی آج بھی نظر آتا ہے ۔ کچھ ایسی ہی کہانی ابھی میں آپ کو سُنانے لگا ہوں ۔

اخبارات میں اکثر و بیشتر قتل کی خبریں شائع ہوتی ہیں ۔ عام قاری قتل کو ایک عام اور ذاتی واقعے کے طور پہ دیکھتا ہے ۔ لیکن کیا آپ تصور کر سکتے ہیں ۔ کہ بیسویں صدی کے اس دور میں بھی کوئی فرد ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے ذاتی مفادات اور ہوسِ اقتدار میں اس حد تک آگے بڑھ جائے کہ انسانی قتل اس کی مستقل ضرورت بن جائے ۔ گذشتہ چند سالوں کے درمیان بلوچستان آگ و خون میں نہاتا رہا ہے ۔ جہاں فوج اور "باغیوں" کے درمیان محاذ آرائی میں ان کی جانوں کے اتلاف کی خبریں آتی رہی ہیں ۔ وہیں قتل کی تنہا وارداتیں بھی منظرِ عام پر آئی ہیں ۔ ایسا ہی ایک قتل میر عبدالنبی مینگل اور میر بخش مینگل کا بھی ہے اسی طرح حمزہ خاں نامی ایک اور شخص کے قتل کی خبر آئی ۔

دیکھنے میں ہر دو قتل کا باہمی تعلق دکھائی نہیں دیتا لیکن الزام لگایا گیا ہے کہ ہر دو قتل ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی متعدد قتل ہو چکے ہیں ۔ اور منصوبے کے مطابق کئی اہم شخصیات کے ناموں پہ سرخ نشان لگایا گیا ہے قتل کی سازش کا الزام سردار دودا خاں زرک زئی پر عائد کیا جا رہا ہے ۔ سردار دودا خاں زرک زئی محتاج تعارف نہیں ہیں ۔ سردار صاحب کو انگریزوں کے وقت سے سرکار کے وفاداروں کی فہرست میں رہنے کا شرف حاصل ہے ۔

سردار دودا خاں زرک زئی پر قتل کرانے کی سازش کا الزام کہیں باہر سے نہیں لگایا گیا ہے یہ الزام خود انہیں کے ایک نہیں دو بیٹوں کی جانب سے لگایا گیا ہے ۔ سردار کے بیٹوں میر یوسف اور میر علی اکبر نے اپنے ایک تحریری بیان کے ذریعے الزام عائد کیا ہے کہ میر عبدالنبی مینگل اور حمزہ خاں کا قتل خود سردار صاحب نے اپنے کارندوں کے ذریعے کرایا ہے

الزام کے مطابق سردار صاحب میر عبدالنبی مینگل کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتے تھے ۔ چنانچہ اپنے کارندے باڈی گارڈ یار محمد میر واڑی کے ذریعے قتل کرا دیا ۔ یار محمد خضدار جیل میں بند ہے ۔ حمزہ خاں جو خود بھی سردار کا کارندہ باڈی گارڈ تھا ۔ سردار صاحب نے اسے اپنے ایک اور مخالف حکیم نتوانی کے قتل پر مامور کیا ۔ حمزہ ناکام رہا ۔ ناکامی کی سزا کے طور پر اسے سردار نے اپنے پرائیویٹ فوج کے کمانڈر مالی خاں چنال کے ذریعے قتل کرا دیا ۔ پھر ایک وقت آیا کہ انہیں اپنے سالے میر بلند خاں زرک زئی سے بھی خطرہ محسوس ہوا ۔ چنانچہ انہوں نے صاحبزادگان میر یوسف اور میر علی اکبر کو اپنے ہی ماموں میر بلند خاں کو قتل کرنے کی ہدایت کی ۔ بیٹوں نے اپنے ہاتھوں اپنے ماموں کو قتل کرنے سے انکار کر دیا ۔ باپ کے مقابلے میں ماموں کی اہمیت یہ ہی کا سبب بنی اور دونوں بیٹے حمزہ خاں کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو گئے ۔ ساتھ میں ایک اور نوجوان میر عبدالحمید بھی گرفتار ہوا ۔ تین سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود تفتیش ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہے ۔

یہ بھی الزام ہے کہ سردار دودا خاں نے اپنے کمانڈر مالی خاں چنال کے ذریعہ میر شیر دل خاں کو بھی ہلاک کرانا چاہا ۔ مالی خاں ناکام رہا ۔ ناکامی کی سزا موت کے خوف سے روپوش ہو چکا ہے ۔ ہمیں نہیں معلوم کہ حقیقت کیا ہے ؟ ہمارے سامنے تو میر یوسف، میر علی اکبر اور میر عبدالحمید کا مچھ جیل سے لکھا ہوا مشترکہ تحریری بیان ہے قتل کا یہ الزام اگر کوئی دوسرا لگاتا تو ہم یہی سمجھتے کہ الزام رقابت کی بنا پر لگایا گیا ہے لیکن یہاں صورتِ حال قطعی مختلف ہے اس طرح کہ الزام بیٹوں نے باپ پر لگایا ہے ۔

داستانِ جدوجہد ۵

علی احمد خاں

دروازہ بند کرنیوالے اصلی دشمن ہیں

بھوک قیدی اور افسر کا امتیاز مٹا دیتی ہے

پنجاب والے پنجابی فلمی کرداروں سے الگ ہیں

پولیس کی گاڑی تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پہلے حصہ میں ڈرائیور اور ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر بیٹھے ہوئے تھے دوسرا حصہ پہلے کے مقابلہ میں بہت بڑا تھا لیکن اکیس افراد کی موجودگی میں پہلے حصہ سے بھی چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔ بالکل ڈیفنس کالونی کا کوئی دو ہزار مربع گز کے پلاٹ پر بنا ہوا مکان جس میں چار افراد کا کنبہ رہتا ہو اور لیاری کا علاقہ جو کئی مربع میل پر پھیلا ہونے کے باوجود انتہائی تنگ و تاریک محسوس ہوتا ہے تیسرا حصہ وہ تھا جس میں چار سپاہی پہرہ دینے کے لئے بٹھائے گئے تھے۔

پہلے حصہ سے دوسرے کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن دوسرے اور تیسرے کے درمیان ایک دروازہ تھا جسے بند کر دیا گیا تھا۔ دروازہ کھل سکتا تھا اگر اس کے پرلی طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہم اپنے عمل سے سمجھا سکتے کہ ہم ان کے دوست ہیں، دشمن نہیں اور ہمارے درمیان یہ دروازہ بند کرنے والے اصل میں ہمارے دشمن ہیں جو ہمارے درمیان یہ تفریق پیدا کر کے خود چین سے بیٹھے ہیں۔ یہ محض ایک خواہش تھی جس کی تکمیل یوں تو بہت آسان محسوس ہوتی تھی لیکن حقیقت میں سب سے مشکل کام یہی تھا۔ میں بڑی تندہی سے کوئی ترکیب سوچنے لگا کہ اتنے میں کسی نے کہا کہ جائی کوٹ لکھپت سے روانہ ہونے سے پہلے کچھ نعرے وغیرہ ہو جائیں اور پھر آزادی صحافت زندہ باد، مسادات بحال کرو اور اخباری کارکنوں کا اتحاد زندہ باد، دنیا کے مزدورو ایک ہو جاؤ وغیرہ جیسے نعروں سے پولیس کی یہ گاڑی گونج اٹھی۔

سامنے بیٹھے ہوئے اے ایس آئی کے کانوں سے جب یہ نعرے ٹکرائے تو اسے اپنی نوکری خطرہ میں محسوس ہوئی فوراً گاڑی رکوائی اور دوڑتا ہوا پیچھے آیا۔ ہم نے جھانک کر گاڑی کی دیوار میں لگی ہوئی کوئی نو انچ چوڑی جالی سے دیکھا وہ اپنے ریوالور کے دستہ پر ہاتھ رکھے ہوئے گڑگڑا رہا تھا۔ "مجھے آپ لوگوں سے یہ توقع نہیں ہے آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں" ہمیں بھی اس کی مجبور جہالت پر رحم آ گیا اور ہم خاموش ہو گئے۔

سڑک غالباً کنکریٹ کے بجائے گڑھوں کی بنی ہوئی تھی اس لئے کہ گاڑی مستقل ایسے جھٹکے کھا رہی تھی جیسے کہ سڑک پر چلنے کے بجائے مرغ بسمل کی طرح نزع کے عالم تڑپ رہی ہو۔ سیٹ سے کولہوں کی ہڈیاں ایسے ٹکرا رہی تھیں جیسے کوئی ہاتھ میں دو پتھر لئے ایک دوسرے سے ٹکرا رہا ہو۔ کچھ دیر تو میں نے مردانگی کا ثبوت دیا اس کے بعد مجبوراً اس پوٹلی کی گدی بنالی جس میں میں نے اپنا تولیہ وغیرہ باندھا ہوا تھا۔ ہر آدمی سگریٹ بھی مسلسل پی رہا تھا اتنے دھوئیں کے لئے نکاس کا راستہ ناکافی تھا اس لئے گاڑی کی فضا کسی پنجابی فلم کے پہلے شو کے موقع پر بغیر ایئرکنڈیشنڈ کے سینما ہال جیسے ہو گئی۔ آہستہ آہستہ سورج بھی غروب ہو گیا اور گاڑی میں مکمل اندھیرا ہو گیا۔ اب ہمیں کوئی جالی سے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہم باہر کے منظر کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔

گاڑی مختلف سڑکوں، دیہاتوں قصبوں اور قریوں سے گذر رہی تھی جس طرف سے گذرتی لوگ اس طرح کھڑے ہو جاتے جیسے انہیں اس میں بند لوگوں سے ہمدردی ہو یا انہیں یقین ہو کہ اس گاڑی میں بند ہونے والا ہر آدمی مظلوم اگر نہیں تو کم از کم ہمدردی کا مستحق ضرور ہوتا ہے۔

گاڑی چل رہی تھی۔ عثمانی صاحب، مرزا صاحب اور راقب صاحب میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے جھول رہے تھے اور سگریٹ پی رہے تھے۔ میں، اچی معین احسان اللہ خان، یونس بٹ اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنی ہڈیاں سیٹ کی لکڑی سے بچا رہے تھے اور حکیم محمد اشرف، اعجاز محمود اور ارشد وغیرہ سامنے کی طرف کی سیٹ پر سونے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔

ہم پنجاب کے جغرافیہ سے اتنے واقف نہیں تھے۔ لیکن عثمانی صاحب نے ہر میل اور کوس کا حساب ازبر کیا ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ساہی وال پہنچنے سے پہلے بتا دیا کہ ساہیوال آ گیا ہے۔ پروگرام یہ بنا کہ ساہی وال جیل میں اپنے ساتھیوں کو اتارنے سے پہلے کھانا وغیرہ کھا لیا جائے چنانچہ گاڑی کی سامنے والی دیوار کو پیٹا گیا تاکہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے اے ایس آئی کو متوجہ کیا جا سکے تھوڑی دیر کے بعد گاڑی رکی۔ اے ایس آئی آیا اس کو اپنی اس ضرورت سے آگاہ کیا گیا غالباً اسے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ فوراً راضی ہو گیا۔ اور اپنی پسند کے ہوٹل کی تجویز پیش کر کے پھر آگے بیٹھ گیا۔ یہ ہوٹل غالباً اس چوک کے قریب واقع تھا جہاں ۱۹۶۵ء کی جنگ میں گرایا جانے والا بھارت کا لڑاکا طیارہ یادگار کے طور پر نصب کیا گیا تھا۔

ہوٹل میں اتنے سارے لوگوں کو زنجیر بکف داخل ہوتے دیکھ کر وہاں موجود لوگوں کے ہوش اڑ گئے لیکن جیسے ہی معلوم ہوا کہ اخباری کارکن ہیں۔ ایک مجمع لگ گیا ہوٹل کا مالک پہلے تو گھبرایا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ ہم اپنے پیسوں سے کھائیں گے تو مسکرا دیا۔ اسے شاید امید نہیں تھی کہ اس دن کا پکایا ہوا کھانا یوں یک بہ یک بک جائے گا۔ فوراً اپنے پورے عملے کے ساتھ حرکت میں آ گیا۔ اے ایس آئی اور سپاہیوں نے بھی سیر ہو کر کھایا۔ پان اور سگریٹ والے کا بھی خاصا مال بک گیا۔ اکیس آدمیوں کا بل کوئی ایک سو روپے بنا۔ راقب صاحب نے پتہ نہیں کہاں سے ایک سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کے حوالے کیا اگر نہیں دیتے تب بھی جیل ہی جانا تھا لیکن ہم اس چھوٹے سے ہوٹل والے کی خوشی پر ڈاکہ ڈالنا نہیں چاہتے تھے ممکن ہے وہ اس آمدن سے اپنے بیوی بچوں کی کچھ چھوٹی موٹی سی فرمائشیں پوری کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

ہم نے اسے ساہی وال جیل جانے والے ساتھیوں کی فہرست بھی دی اور وہاں موجود دوستوں کے نام پتے بتائے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ اب ہم کوٹ لکھپت سے رخصت ہو چکے ہیں۔

کوئی نو بجے ساہی وال جیل پہنچے۔ سلیم شاہ، رحیم بخش جتوئی، یونس بٹ، وغیرہ کو ہم ساہی وال جیل میں چھوڑ کر ملتان کی جانب روانہ ہو گئے۔

آخری حصّہ میں بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو غالباً ہم سے بھی زیادہ جھٹکے محسوس ہو رہے تھے۔ اس لئے وہ دروازہ کھول کر ہمارے حصّہ میں آن بیٹھے۔ پہلے تو اکڑے ہوئے بیٹھے رہے پھر پیر پھیلائے اور پھر اونگھنے لگے۔ ڈرائیور کو بھی ہوٹل میں روٹی کھانے کے بعد اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو گیا تھا اس نے کچھ تار وغیرہ ٹھیک کئے اور ایک بلب روشن کر دیا۔ جس کی روشنی گاڑی کی رفتار کے ساتھ تیز اور کم ہوتی تھی اور جب بجھ جاتا تو ہم سمجھ لیتے تھے کہ گاڑی کھڑی ہو گئی ہے۔

گاڑی کے فرش میں ایک سوراخ بھی تھا پہلے تو ہم سمجھے کہ یہ سوراخ گاڑی کی باڈی بنانے والے کی کوتاہی کا نتیجہ ہے لیکن جب پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی تو ہم کو اس سوراخ کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ لیکن گاڑی کی اچھل کود سے اندازہ ہوا کہ اگر اس سوراخ کا استعمال کیا گیا تو گاڑی میں بیٹھا ہوا ہر آدمی ناپاک ہو جائے گا لیکن ایک قطرہ بھی اس سوراخ سے نیچے نہیں اترے گا۔ میں نے سپاہی کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا اس نے گاڑی رکوائی اور ہتھکڑی لگا کر نیچے لے گیا۔

میں اپنے کتے ٹامی کو صبح جب گھمانے لے جایا کرتا تھا تو وہ چلتے چلتے ایسے ہی سڑک کنارے کسی بھی درخت یا اونچی سی چیز پر شروع ہو جاتا تھا اور میں اس کی زنجیر پکڑے کھڑا رہتا تھا۔

واپسی پر پھر گاڑی روانہ ہوئی۔ ملتان شہر کی روشنی جب دکھائی دی تو مرزا صاحب کے علاوہ ہر آدمی مختلف شکلوں میں سو رہا تھا۔ سپاہی بھی تمام فرائض بالائے طاق رکھ کر گاڑی کے فرش پر اس طرح بکھر گئے تھے جیسے میدانِ جنگ میں لاشیں بکھری ہوتی ہیں۔

مجھے ملتان شہر دیکھنے کا بڑا شوق تھا آخر اللہ میاں نے سن ہی لی۔ ہم شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ کوئی ایک کا عمل ہوگا۔ اے ایس آئی ملتان سنٹرل جیل کا راستہ بھول گیا تھا۔ ہر ایک سے گاڑی روک کر پوچھ رہا تھا۔ لوگ سنٹرل جیل اور ڈسٹرکٹ جیل میں تمیز کرنے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ کوئی دو گھنٹے تک مختلف سڑکوں پر چکر لگانے کے بعد۔ ملتان سنٹرل جیل پہنچنے میں ہم کامیاب ہو گئے جیل کے دروازہ پر کوئی آدھ گھنٹے تک گاڑی کھڑی رہی پھر دروازہ کھلا اور عثمانی صاحب۔ راقب صاحب۔ احسان اللہ خان اور دوسرے ساتھی اتر گئے۔ فوری طور پر گاڑی میں سناٹا چھا گیا۔ لیکن مرزا صاحب کی آواز آئی خان صاحب! انہوں نے ہمارے دستہ کی کمان سنبھال لی تھی۔ حکیم اشرف، اچی میمن، اعجاز محمود، ارشد اور میں پھر اپنی جگہ اونگھنے میں مصروف ہو گئے۔ مرزا صاحب بڑی ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ میں نے تجویز پیش کی کہ آپ تھوڑی دیر سو لیں میں جاگ لیتا ہوں۔ وہ میری سیٹ پر لیٹ گئے۔ میں ان کی سیٹ پر بیٹھ گیا

تھوڑی دیر کے بعد صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بہاولپور سنٹرل جیل ہماری منزل تھی جو اب بھی خاصی دور تھا۔ میں نے جالی سے باہر جھانکنا شروع کر دیا اور پنجابی فلموں میں دیکھے ہوئے پنجاب کے دیہاتوں اور لوگوں کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ نہ کوئی ممتاز اور آسیہ جیسی لڑکی نظر آئی نہ سلطان راہی اور مصطفےٰ قریشی جیسے مرد نظر آئے۔ وہی لڑکیاں اور عورتیں شرمائی لجائی اپنے مکان کے سامنے ایک میلی سی چادر اوڑھے ہوئے کام کرتی ہوئی دکھائی دیں۔ مرد بھی اپنے ہل بیل لے کر کھیتوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔

کاش ہمارے گاؤں ویسے ہی ہنستے کھیلتے دکھائی دیتے جیسے پنجابی فلموں میں دکھائے جاتے ہیں۔ پھر سورج نکل آیا۔ گاڑی میں سگریٹ کے دھوئیں کی جگہ گرمی اور گرد نے لے لی تھی۔

سپاہی جاگ گئے تھے۔ حکیم محمد اشرف، اچی میمن، اعجاز محمود اور ارشد بھی جاگ گئے تھے۔ مرزا صاحب سو رہے تھے۔ بہاولپور آگیا۔ گاڑی رک گئی غالباً قریب ہی کوئی چڑیا گھر تھا۔ اس لئے کہ شیر کے گرجنے کی ایک دو آوازیں آئیں۔ اے ایس آئی نے مرزا صاحب سے دریافت کیا کہ کیا براہ راست جیل جائیں گے یا نہائیں دھوئیں گے بھی۔ مرزا صاحب نے اس سے درخواست کی کہ بھائی! اگر نہانے دھونے کا بندوبست ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تم تو کم از کم ناشتہ تو کرا دو۔

پھر گاڑی چل پڑی اب کی رکی تو پولیس لائین تھی بینڈ بج رہے تھا اور کچھ پولیس والے ایک میدان میں پریڈ کر رہے تھے۔ ذرا سی دور ایک بم پولیس تھا۔ بہ ہمارے یہاں ٹن کے بنے ہوتے، اس عوامی بیت الخلا کو کہتے تھے جو عام طور پر شہر سے باہر یا بڑے ریلوے جنکشنوں پر ہوتا تھا۔

حکیم اشرف کو عموماً کھانا وقت پر ہضم ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ٹن کا ایک ڈبہ لیا اور خاصی تیزی کے ساتھ بم پولیس کی جانب روانہ ہوتے اتنے میں دور سے ایک اخبار والا جاتا ہوا دکھائی دیا ہم نے اسے آواز دی تو وہ لوٹ پڑا۔ امروز ملتان اور مشرق تھا باقی اخبارات لاہور اور کراچی کے تھے جو ایک دن پرانے تھے۔ امروز کے پہلے صفحہ پر ایک خبر پڑھ کر ہم چونک پڑے۔ عدالت نے چار صحافیوں کو کوڑوں کی سزا سنا دی۔ خاور نعیم کو تین، اقبال جعفری، ناصر زیدی اور مسعود اللہ خان کو پانچ پانچ کوڑوں کی سزا سنا دی گئی اور انہیں کوٹ لکھپت جیل لے جا کر فوراً کوڑے لگا دیئے گئے۔ مجھے یقین نہیں نہیں آیا۔ کوڑوں کی سزا فوری طور پر کیوں لگائی گئی۔ ممکن ہے حکومت نے ہمیں دھمکانے کے لئے یہ چال چلی ہو۔ اس لئے کہ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ کم از کم اپیل کی تو مہلت ملنی چاہیئے۔

پھر خیال آیا کچھ بعید نہیں ہے۔ برج آن دا ریور کوائی نامی فلم میں ولیم ہولڈن کو جو جاپانیوں کی جیل سے چھڑا کر اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا تو اس کے کمانڈروں نے حکم دیا کہ تمہیں پل تباہ کرنے کے لئے ایک مہم پر جانا ہے۔ تمہیں اس مقام پر ہوائی جہاز کے ذریعے نیچے اتار دیا جائے گا۔ ولیم ہولڈن نے بڑی معصومیت سے اپنے جنرل سے دریافت کیا کہ پیراشوٹ کے بغیر یا پیراشوٹ کے ساتھ، فوج کی ذہنیت پر یہ بھرپور طنز تھا۔ وہاں یہ بھی ممکن تھا کہ اپنے کسی مشن کی تکمیل کیلئے کسی کو بغیر پیراشوٹ کے ہی جہاز سے نیچے گرایا جا سکتا ہے۔

اب ہماری کوٹ لکھپت سے اپنی منتقلی کی وجہ بھی سمجھ میں آئی۔ مرزا صاحب خبر پڑھ کر کچھ ملول سے ہو گئے۔ وہ اس سعادت سے محرومی پر ناراض سے نظر آ رہے تھے۔ حکیم اشرف نے واپسی پر جب یہ سنا تو پھر لوٹے میں پانی مانگنے لگے۔ پھر ہم نے کچھ [illegible] تسلی دی تو لوٹا واپس کیا اور غسل کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

(باقی آئندہ)

پی، ایف، یو، جے اور اپنک کے

نکات

پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس سمیت تمام سیاہ قوانین ختم کیے جائیں، اخبارات اور اخباری کارکنوں کے خلاف غیر معمولی قوانین کے تحت کارروائی نہ کی جائے، اگر ان کے خلاف کارروائی مقصود ہو تو عام قوانین کے تحت عام عدالتوں میں کی جائے

ہفت روزہ الفتح کراچی، ہفت روزہ معیار کراچی، دیگر اخبارات اور جرائد کی جبری بندش ختم کی جائے، اخبارات اور جرائد کو پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس کے تحت ضمانت طلبی کے جو نوٹس دیئے گئے ہیں وہ واپس لئے جائیں۔

تمام گرفتار شدہ اخباری کارکنوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلباء کو رہا کیا جائے، اور انہیں دی گئی سزا ختم کی جائے۔

دس فیصد مصارف زندگی الاؤنس جون ۱۹۷۴ سے معہ بقایا جات ادا کیا جائے

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر پچاس فیصد اضافی تنخواہ الاؤنس دیا جائے

کرایہ مکان کی شرح پندرہ فیصد سے بڑھا کر بنیادی تنخواہ کے ۵۰ فیصد کی شرح سے دیا جائے۔

روز افزوں مہنگائی کے پیش نظر ہر سال مہنگائی کی شرح سے تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔ اس کے تعین کا کام ویج بورڈ پر عملدرآمد کے ٹریبونل کو تفویض کیا جائے

ویج بورڈ پر عمل درآمد کے ٹریبونل کی کارکردگی کو مزید بہتر اور موثر بنایا جائے اور اس میں مزید اضافہ کیا جائے تاکہ تیزی سے مقدمات کا فیصلہ ہو سکے۔

مجاہدین جدوجہد زنجیروں بیڑیوں کوڑوں اور دار و رسن سے نہیں ڈرتے

گرفتاری دراصل رہائی کی جانب قدم ہے

محمود شام، اشرف شاد، دیپک، ریاض خاں، لالہ رخ کا راستہ ہمارا راستہ ہے

شبیہ الحسن

جسارت کے مخبروں اور نسیم الحق عثمانی کے بے ضمیر بکاؤ اور غداروں نے حکومت کو پی ایف یو جے اور ایپنک کے جن سرگرم کارکنوں کی فہرستیں تیار کر کے بھیجی تھیں ان کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ پریس کارکنوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کی حمایت میں جدوجہد چند دنوں میں دم توڑ دے گی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ پریس کلب میں بھوک ہڑتال کی پُرامن تحریک میں مزدور، ہاری اور طلبا شامل ہو چکے ہیں، اور یہ تحریک چہار دیواری سے نکل کر سڑکوں پر پہنچ گئی تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ حالانکہ یہ تحریک سڑکوں پر آنے کے باوجود گرفتاریاں پیش کرنے کی حد تک محدود، منظم اور انتہائی پُرامن رہی، مگر مجرموں کے دل خوف سے ڈوبنے لگے، انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ تحریک ظلم کے تابوت میں کیل ثابت نہ ہو۔ اُدھر غداروں کا ٹولہ ایک بار پھر انتہائی بے غیرتی اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاؤں میں گر گیا اور خاک چاٹتے ہوئے عاجزی کی کہ باہر والوں کو پکڑیں جو تحریک کو آگے بڑھانے میں پیش پیش ہیں۔"

ایم پی اے ہاؤس کے ایک کمرے میں ہونے والی اس میٹنگ کے عینی شاہد کا کہنا ہے کہ آپریشن انچارج نے بڑی برہمی سے جواب دیا۔ "تم لوگوں کے مشورے پر ہم پہلے ہی کافی رسوائی کا سامنا کر چکے ہیں تم لوگ فضول نااہل اور ناکارہ ہو۔ تمہیں انڈسٹری کی کوئی حمایت بھی حاصل نہیں ہے۔ اگر معاملہ اس حد تک نہ بڑھا ہوتا تو شاید میں تم لوگوں کو یہاں سے نکال باہر کرتا۔ مگر خیر۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ سرگرم کارکنوں کی گرفتاری کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔؟"

تین افراد پر مشتمل غداروں کے ٹولے نے بیک زبان کہا۔ "جی جی برنا کی چلائی ہوئی "سیاسی تحریک" دم توڑ دے گی۔ ہمیں پورا یقین ہے۔ آپ گرفتاریاں شروع تو کریں۔"

اسی واقعہ کے تین دن یعنی ۱۱ اور ۱۲ اگست کی درمیانی شب کو سرگرم کارکنوں کی گرفتاری کا ایک بڑا آپریشن شروع کیا گیا۔ پہلے ہلہ میں ہفت روزہ معیار (کہکشاں) کے مینیجنگ ایڈیٹر محمود شام، ایگزیکٹو ایڈیٹر اشرف شاد، ہیرالڈ ورکرز یونین کے جنرل سکریٹری موتی جی دیپک، جاوید پریس ایمپلائز یونین کے جنرل سکریٹری ریاض احمد، روزنامہ سن کی خاتون رپورٹر لالہ رخ حسین کو گرفتار کیا گیا۔ پولیس نے ان کی گرفتاریوں کے دوران حکمرانوں کا "عہد نامہ جدید" چادر اور چہار دیواری کی جس انداز میں دھجیاں اڑائی ہیں وہ ہمارے لئے تو نہیں کیونکہ برطانوی تربیت یافتہ پولیس اور انتظامیہ سے ہم نے کبھی شرافت کی توقع نہیں رکھی۔ البتہ حکمرانوں کو ضرور سوچنا چاہیے کہ ان کے اعلانات اور انتظامیہ کے اقدامات میں کیا فرق ہے اور اس کے اثرات عوام پر کیا پڑیں گے۔ ریاض احمد کی ضعیف والدہ کو دروازے تک گھسیٹا گیا اور لالہ رخ کو ان کی خواب گاہ کی کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو کر گرفتار کیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کے شوہر زاہد حسین کو بھی کسی وجہ کے بغیر گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاری کے تیسرے دن روزنامہ جسارت نے خبر شائع کی کہ مزید سرگرم کارکنوں کی گرفتاری متوقع ہے بلاشبہ اس قسم کے معاملات میں ہم جسارت کی "مصدقہ اطلاعات" کی تردید کی جرأت اس لئے نہیں کر سکتے کہ گرفتاریوں کا مشورہ اور ناموں کی فہرستیں اسی کے دفتر سے مرتب ہو کر آپریشن ہیڈ کوارٹر اور پولیس تھانوں میں پہنچی ہیں۔ جسارت، جماعتیوں اور غداروں کی یہ "خدمات" عوام کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ ان کا وہی حشر ہوگا جو تاریخ میں صادقوں اور میر جعفروں کا ہوا ہے۔

ادھر پریس کلب کی چہار دیواری سے نکل کر ریگل چوک صدر پر مجاہدین صحافت کا پُرامن احتجاجی سلسلہ پہلے دن کے جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے روزانہ پریس کارکنوں، ہاری، مزدور اور طالب علموں پر مشتمل سرفروشوں کا دستہ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتا ہے۔ حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ جدوجہد مثالی نظم و ضبط کا نمونہ ہوتی ہے، مگر پولیس والے ان پر بھوکے بھیڑیے اور گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور کارکنوں پر تشدد کر کے نجانے کس جذبے کی آگ کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ گرفتاری پیش کرنے والے کارکنوں کو بالوں سے پکڑ کر کھینچتے ہیں۔ ان کے منہ پر ٹکے رسید کئے جاتے ہیں۔ لاتوں اور گھونسوں سے زد و کوب کر کے دیوانہ وار قہقہہ لگاتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی تنخواہوں کے لوگ جن کی ہمدردیاں مظلوموں کے ساتھ ہونی چاہئیں، طبقاتی سماج اور تربیتی نظام کی وجہ سے ظالموں کی پشت پناہ بن گئے ہیں۔ ہاریوں پر تو ایسے ٹوٹتے ہیں جیسے کافی دیر کے بعد شکار ملا ہے۔

جدوجہد کے قائدین
منہاج برنا
نثار عثمانی
حفیظ راقب
احفاظ الرحمٰن

اس دوران دو اہم واقعات ہوئے۔ حکومت کی جانب سے ایک پریس نوٹ جاری ہوا جس میں پریس کارکنوں اور ہمدرد حلقات کو متنبہ کیا گیا کہ اگر ایجی ٹیشن جاری رہی تو تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مٹا دیا جائے گا۔ دوسرے دن ریگل چوک پر جو احتجاجی مظاہرہ ہوا اس میں کئی گنا جوش و خروش بڑھ گیا۔ پولیس نے عوام پر لاٹھی چارج کیا۔ اور کارکنوں کے علاوہ ہجوم میں سے متعدد افراد کو بھی گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ۶ اگست کو حکومت نے متعدد پریس کارکنوں کے شہر بدری اور صوبہ بدری کے احکامات جاری کئے۔ جنہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ حکومت نے مزید سختی کی نیت سے ۱۰ اگست کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت کے ذریعہ چودہ مجاہدین صحافت کو سات سات ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی۔ (سرکاری ادارے سزا یافتگان کی تعداد ۶ بتاتے ہیں) جن جیالوں کو سزائیں دی گئیں ان میں نوجوان محاذ کے کلیم درانی کے علاوہ مساوات پشاور کے صحافی اور ممتاز شاعر جوہر میر، ہفت روزہ الفتح اور پربھات کے مدیر وہاب صدیقی، مساوات لاہور کے عبدالوحید شیخ، اور محمد عظیم، لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کے ملک اختر اور ملک حق نواز، مساوات کراچی کے سرور علی راقہ، این ایس ایف کے جبار خٹک، سندھی ہاری کمیٹی کے بشیر خاصخیلی، محمد یوسف، یعقوب کیرانو، محمد بوٹ، جرم لغاری اور دیگر افراد شامل ہیں۔

اس اقدام سے حکومت اور غدار ٹولے کو یقین تھا کہ صحافیوں، پریس کارکنوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلبا کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ مگر شاید وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ مجاہدین صحافت اس سے کہیں زیادہ سخت مراحل سے گزرنے کا کامیاب تجربہ کر چکے ہیں، اور ان کی پیٹھوں پر لگے ہوئے کوڑوں کے نشانات ابھی تازہ ہیں۔ جدوجہد کے میدان میں اترنے والے زنجیروں، بیڑیوں، کوڑوں اور دار و رسن سے نہیں گھبراتے۔ حکمرانوں اور ظالموں نے یہ تجربہ بار بار کیا ہے۔ در حق پرست ہر بار سرخرو نکلے ہیں۔

۶ اگست سے ۱۳ اگست تک گرفتار ہونے والے پریس کارکنوں، محنت کشوں، ہاریوں اور طلبا کی تعداد ۱۰۷ ہو چکی ہے۔ ۱۳ اگست کو ۳ بجے ریگل چوک پر جن لوگوں نے گرفتاریاں پیش کیں ان میں انگریزی اخبار سن کے رپورٹر

اشرف شاد — محمود شام — مارشل لا کے تحت نظر بند ـــ لالہ رخ حسین

کوڑے کھاتے، صوبہ بدری کے بعد پھر گرفتاری کے لئے پیش ہونے والا ناصر زیدی

کراچی میں ریگل چوک پر آزادی صحافت کے لئے ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد کے سلسلے میں گرفتاریاں پیش کرتے وقت عوام کا زبردست ہجوم

علی احمد خان بھی شامل تھے۔اس سے قبل ۱۸ اپریل سے لاہور میں شروع ہونے والی تحریک میں بھی گرفتار ہو کر فوجی عدالت سے سزاوار ٹھہرائے گئے تھے۔ گرفتاری سے چند گھنٹے قبل ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مخصوص بھاری بھرکم لہجے میں کہا۔ "آزاد ہونے جارہا ہوں"۔ "آزاد ہونے؟ بھائی آپ تو خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے جارہے ہیں"۔

"بس یہی نکتہ تو آپ سمجھ نہیں سکتے۔ گرفتاری دراصل رہائی کی جانب ایک قدم ہے۔ جب صحافی، دانشور، مزدور، کسان اور طلباء حق پرستی کی خاطر سڑکوں پر نکل آئیں اور گرفتاریاں پیش کرنے لگیں تو سمجھ لیں کہ ناروا پابندیوں میں جکڑا سماج اپنی رہائی کی جانب بڑھ رہا ہے"۔

گرفتار ہونے والے صحافیوں، پریس کارکنوں، مزدوروں، ہاریوں اور طالب علموں تم پر سلام، کہ تم حق پر ہو، اور حق پر چلنے والوں کو کوئی طاقت سرنگوں نہیں کر سکتی۔

***

جامع مسجد جیکب لائینز سے صحافی مظاہرہ کرنے کی غرض سے صدر کی طرف جا رہے ہیں ان کے پیچھے نمازیوں کا ہجوم ہے

محنت کشوں، طلبہ اور کسانوں کی جانب سے یکجہتی کا اعلان

جانسن اینڈ جانسن ورکرز یونین کے جنرل سیکریٹری اقبال محمد خان نے ایک بیان میں صحافیوں کے ۸ نکاتی مطالبات کی حمایت کرتے ہوئے انہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ حکومت نے ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے وہ انتہائی افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے معاشی مطالبات پورے کرنے کے بجائے ان کی گرفتاریاں عمل میں لائی جا رہی ہیں جس سے مزدوروں میں سخت بے چینی پھیل گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر صحافیوں کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو ہم عملی طور پر ان کی جدوجہد میں شریک ہو کر کامیابی سے ہمکنار کریں گے اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

صحافیوں کی جدوجہد میں مزدوروں اور طالب علموں کی شمولیت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عوامی جدوجہد کمیٹی حیدرآباد کے رابطہ سکریٹری جناب ضمیر بلوچ نے کہا ہے کہ صحافی اور اخباری کارکنوں کے ۸ نکاتی مطالبات پورے کئے جائیں۔ ہاریوں، مزدوروں اور طالب علموں

صحافیوں کے مطالبات کی حمایت پر ہاری کمیٹی کے [illegible]

کے حقوق کا تحفظ کرایا جائے۔ فیکٹریوں میں تالہ بندی اور مزدوروں کی چھانٹیاں بند کی جائیں، گرفتار شدہ صحافیوں کو رہا کیا جائے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں اور تعلیمی اداروں میں سرکاری مداخلت بند کی جائے۔ آخر میں انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ مزدور، طالب علم اور ہاری صحافیوں کی جدوجہد میں آخر دم تک برابر کے شریک رہیں گے۔

مشرق ایمپلائز یونین کوئٹہ کی جنرل باڈی کا اجلاس موجودہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اخباری صنعت کے کارکنوں کو درپیش مسائل حل کرنے اور ان کے مطالبات تسلیم کرنے کے سلسلہ میں عملی اقدام کیا جائے۔ اجلاس قرار دیتا ہے کہ ایپنک کی طرف سے مطالبات تسلیم کرنے کے لئے کافی وقت دیا گیا ہے جو اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اخباری صنعت کے کارکن حکومت سے تصادم کی

بجائے تحفظِ روزگار چاہتے ہیں۔ اجلاس اپینک کے آٹھ نکاتی مطالبات کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔ اور امید کرتا ہے کہ حکومت ان مطالبات کے سلسلہ میں اپینک کی قیادت سے جلد از جلد مذاکرات شروع کرنے کے سلسلہ میں اقدامات کرے گی۔ یہ اجلاس کارکنوں کی مرکزی قیادت پر بھی غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ اور مطالبات کے سلسلہ میں مکمل حمایت کا یقین دلاتا ہے۔

ڈیموکریٹک آرگنائزنگ کمیٹی (پاکستان) سندھ کے قائم مقام صدر محمد نقی نے ایک بیان میں ریگل چوک کراچی میں پرامن مظاہرین پر پولیس کے وحشیانہ تشدد کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حق کی آواز کو ظلم و تشدد کے ذریعہ دبایا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے ان اقدامات سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ حالات کو مزید خراب کرنا چاہتی ہے۔ بیان میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ پرامن مظاہرین پر تشدد کرنے کے ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی کی جائے اور اپینک اور پی ایف یو جے کی قیادت سے گفت و شنید کر کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ تمام گرفتار شدہ مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور صحافیوں کو رہا کیا جائے۔ ٹریڈ یونین سرگرمیاں مکمل طور پر بحال کی جائیں۔

اور اپینک کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے اتحاد کو مستحکم بنائیں۔ اجلاس میں حکومت سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ آٹھ نکاتی مطالبات سے پیدا ہونے والے تنازعہ کو حل کرنے کے لئے وہ جناب منہاج برنا کی قیادت میں کام کرنے والی تنظیموں پی ایف یو جے اور اپینک سے مذاکرات کرے۔ کے یو جے کی مارننگ نیوز یونٹ نے صحافتی برادری اور اخباری کارکنوں کے درمیان نااتفاقی اور منافرت کا بیج بونے کی کوشش کرنے والی رجعت پسند طاقتوں کی بھرپور الفاظ میں مذمت کی۔ اجلاس نے ان صحافیوں اور اخباری کارکنوں سے جنہوں نے مٹھی بھر ایسے افراد کی قیادت میں جن کی مٹھیاں گرم کر دی گئی ہیں غیر نمائندہ متوازی تنظیم بنا کر نفاق کا بیج بو رہے ہیں، پرزور اپیل کی ہے کہ وہ پی ایف یو جے اور اپینک میں واپس آ کر اخباری برادری کے اتحاد کو مضبوط بنائیں۔ اجلاس نے منہاج برنا کی قیادت میں کام کرنے والی تنظیموں پی ایف یو جے اور اپینک پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

پروگریسو اسٹوڈنٹس کونسل کا ایک اجلاس چیئرمین عنایت رضا کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کی مکمل

گرفتار ہونیوالے صحافی، پریس کارکن مزدور، کسان اور طلباء

حسن آباد لیبر آرگنائزیشن، جاوید صدیقی، سادات ... ، ... پیر الٰہی بخش، اسرار رؤف بھٹی مزدور کسان طلباء ... رابطہ کمیٹی، عبیدالرحمن، سندھی شاگرد تحریک، عبدالرزاق خٹک، مساوات لاہور، الطاف ملک، مساوات فیصل آباد، ریاض محمد رضا، پی پی آئی کراچی، فرید خان، مساوات کراچی، سراج احمد، سندھی ہاری کمیٹی، پیر بخش کرمتی، سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن، عبدالخالق زوران، مساوات لاہور، رانا اقبال، روزنامہ آفاق لاہور، ندیم چشتی، ہلالِ پاکستان کے عبدالستار بھٹی، ہفت روزہ الفتح کے نمائندہ محبوب احمد سندھی، سندھی ہاری کمیٹی، شوکت علی پلیجو، این ایس ایف اسحاق سولنگی، صداقت کراچی کے بصیر نوید، الفتح، محبوب رانا، نوائے ملتان، ناصر زیدی، متحدہ مزدور فیڈریشن، نثار علی، سندھی ہاری کمیٹی صالح محمد طالب علم نور محمد بلوچ، پی سی ورکرز یونین، شکیل قیصر، مزدور رہنما شفیع کلہوڑو، فیصل آباد کے مسعود قمر، نور محمد این ایس ایف، راجہ حسن اختر، سندھی ہاری کمیٹی، علی محمد بھٹو، ہفت روزہ معیار کے مجاہد بریلوی، روزنامہ اعتماد کوئٹہ، قیصر محمود بٹ، پی پی نیوز پیپر ورکرز لاہور کے جوائنٹ سکریٹری، رفیق احمد چودھری، لیبر آرگنائزنگ کمیٹی، محمد یوسف میمن، سندھی ہاری کمیٹی اللہ ڈنو، سندھ این ایس ایف یوسف زوران۔

ریگل چوک پر پولیس غیر متعلق لوگوں کو گرفتار کر کے عوام کو دہشت زدہ کر رہی ہے

کراچی یونین آف جرنلسٹس کے مارننگ نیوز یونٹ نے آج اپنے ایک اجلاس میں ان صحافیوں اور اخباری کارکنوں سے جو بعض بااثر لوگوں کے بہکانے میں آ کر گمراہ ہو گئے ہیں اپیل کی ہے کہ دوبارہ پی ایف یو جے

حمایت کی گئی اور یقین دلایا گیا کہ طلباء، صحافیوں کی آزادیٔ صحافت کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کریں گے۔

این ایس ایف، ڈی ایم سی یونٹ کے قائم مقام یونٹ آرگنائزر آفتاب لوشنی نے ایک بیان میں این ایس ایف (کراچی) کے صدر اسحاق سولنگی اور ڈی ایم سی کے یونٹ آرگنائزر سعید اشرف خان اور دیگر گرفتار شدہ صحافیوں، مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ جنہیں صحافیوں کی آزادیٔ صحافت کی جدوجہد میں حصہ لینے پر پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے آزادیٔ صحافت کے لئے جدوجہد کرنے والے تمام کارکنوں کو خراجِ تحسین پیش کیا جو ہر قسم کی قربانیاں دے کر اس تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں اور یقین دلایا کہ این ایس ایف آزادیٔ صحافت کی تحریک کی کامیابی تک اس میں بھرپور حصہ لے گی۔

غدار ٹولے نے بارہ ہزار روپے وصول کر لئے

آزادئ صحافت کے لئے اخباری صنعت کے کارکنوں کی ملک گیر تحریک پر وفاقی وزرآ نے بھی تبصرہ فرمایا ہے۔ وفاقی وزیر چودھری ظہور الٰہی صاحب نے اس تحریک کے حوالے سے اپنی بھڑاس نہ صرف یہ کہ برنا صاحب کے خلاف ہرزہ سرائی سے نکالی ہے بلکہ ان کے مرحوم والد کو بھی اپنی دشنام طرازیوں کا نشانہ بنایا۔ خیر ظہور الٰہی صاحب تو چودھری ٹھہرے اور اب شاہ کے مصاحب بھی بنے ہیں تو دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے جو کچھ کہیں کم ہے۔

لیکن تحریک کو ناکام کرنے اور کٹھ پتلی تنظیم کے قیام کے لئے وفاقی وزرآ بڑی سرگرمی سے دامے درمے حصہ لے رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وفاقی وزیر تجارت میاں زاہد سرفراز نے اپنی وزارت کے زیرِ انتظام چلنے والے خود مختار اداروں کو ہدایت جاری کر دیں کہ وہ جانے پہچانے سرکاری لوگوں کو جن کے ذمے جعلی تنظیم بنانے کا کام سونپا گیا ہے رقوم فراہم کریں۔ ان کی ہدایت پر ایکسپورٹ پروموشن بیورو، اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن، پاکستان انشورنس کارپوریشن، نیشنل انشورنس کارپوریشن اور رائس ایکسپورٹ کارپوریشن نے دو، دو ہزار روپیہ غدار ٹولہ کو ایک کاغذی سوونیئر کے لئے اشتہارات کے طور پر دیا۔ سوونیئر تو معلوم نہیں چھپا بھی ہے یا نہیں لیکن غدار ٹولے نے وفاقی وزیر کی ہدایت پر صرف ایک شعبہ یعنی وزارتِ تجارت کے زیرِ اہتمام چلنے والے اداروں سے بارہ ہزار روپیہ وصول کیا۔

وفاقی وزیر نے نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر تاجروں اور صنعت کاروں پر زور ڈالا ہے کہ وہ اس ٹولہ کو چندہ دیں بلکہ ان کی تنظیموں نے کراچی چیمبر آف کامرس اور فیڈریشن آف چیمبرز آف کامرس کو بھی ہدایت کی ہے کہ وہ ان کو چندہ ادا کریں۔ تاجروں اور صنعت کاروں نے تو رقوم دے دیں لیکن ان کی تنظیموں نے بعض وجوہات کی بنا پر ان کی درخواست کو رد کر دیا۔

پریس پولیس کا اے ایس آئی محب علی سن کے فوٹو [illegible] نیس ہمدانی کی موٹر سائیکل کا تالا توڑ رہا ہے۔ اس نے صحافیوں اور مظاہرین کو گندی گالیاں دینے کا ریکارڈ بھی توڑ دیا جس کی [illegible] اسے کم سے کم پولیس میڈل تو ملنا ہی [illegible]

لیاری نوجوان تحریک کے چیئرمین یوسف خان زورانی نے ایک بیان میں صحافیوں کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے کہا کہ لیاری نوجوان تحریک صحافیوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کو جائز سمجھتی ہے اور ہر جائز جدوجہد کامیابی سے ضرور سرفراز ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ آج صحافیوں کے ساتھ طلباً مزدور اور کسان مل کر جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ صحافیوں کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ گرفتار صحافیوں کو رہا کیا جائے یکم مئی کے اسیر تحریک کے سابق چیئرمین سلیم بلوچ جنرل سکریٹری سلیم اور دیگر ساتھیوں کو رہا کیا جائے پٹ فیڈر میں اسیر غلام اکبر، محمد رمضان اور عمر دین کو رہا کیا جائے اور ان کے کوڑوں کی سزا منسوخ کی جائے۔

سندھ ہاری کمیٹی کی مرکزی سکریٹریٹ سے ایک بیان جاری کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صحافیوں کی موجودہ جمہوری حقوق اور پریس کی آزادی کے لئے چلائی جانے والی جدوجہد کی عملی حمایت کی پاداش میں میرپور بٹھورو پولیس نے سندھ ہاری کمیٹی کے مرکزی کنوینر شبیر خان لُنڈ کو گرفتار کر لیا ہے۔ باوجود کوشش کے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو کہاں لے جایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سندھ ہاری کمیٹی کے مرکزی جوائنٹ سکریٹری علی محمد میمن کے بچے وڑو اور بھٹورو کی پولیس پکڑی ہوئی ہے اور اس کے بھائیوں اور عزیزوں کو پریشان کیا جا رہا ہے یہ گرفتاریاں محض اس پاداش میں کی جا رہی ہیں کہ وہ صحافی برادری کی عملی طور پر حمایت کر رہے ہیں۔ بہت سی اور گرفتاریوں کا امکان ہے۔ سندھ ہاری کمیٹی کی مرکزی مجلس عاملہ نے گرفتاریوں کی سخت مذمت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ تمام ہاریوں، مزدوروں اور صحافیوں کو رہا کیا جائے۔

گرفتاری پیش کرنے والوں کو کراچی پولیس کا ایک "جماعتی" اہلکار [illegible] کر رہا ہے

بیوروکریسی ہر حکومت کو غلط راستے پر ڈالتی ہے
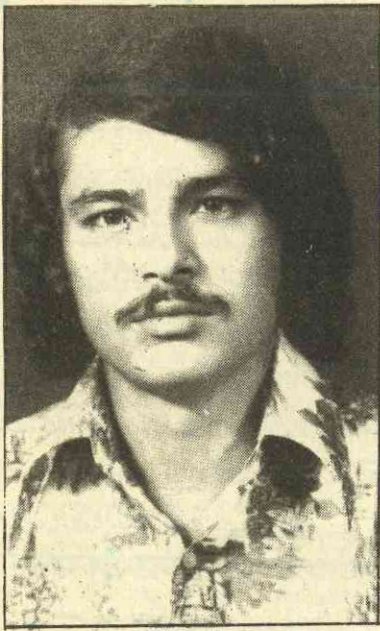
کوڑے کھانے والے اخباری کارکن

اقبال جعفری

سے ملاقات

میں اب بھی جیل جانے اور کوڑے کھانے کے لئے تیار ہوں

" اصولوں پر سودے بازی نہیں ہوگی "

وہاب صدیقی

اخبارات پر سنسر کے علاوہ ایک چور سنسر بھی ہے

" کوڑوں کی سزا کے بارے میں میرے اور ساتھیوں کے تاثرات یہ ہیں کہ اس سزا سے ہماری تحریک کو جِلا ملی - یہ نہ صرف تحریک کے حق میں اچھی بات ہوئی بلکہ کوڑوں کی سزا کو جائز قرار دینے والوں اور اس پر مارشل لاء حکومت کی تائید کرنے والوں نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے ہیں ہمارا جذبہ بڑھ گیا ہے اور اگر ہمیں مجبور کیا گیا تو پھر کوڑے کھائیں گے ۔ ہمارے ارادے چٹان کی طرح راسخ اور اٹل ہیں اور اب ہم کوڑے کھانے کی بجائے گولیاں کھانے کے لئے پولیس دین میں بیٹھیں گے ۔ یہ لوگ ہماری پیٹھ آزما چکے ہیں، اب ہمارے سینے آزمائیں گے "۔

یہ الفاظ روزنامہ "سن" میں کام کرنے والے جوشیلے نوجوان اقبال جعفری نے جس عزم سے کہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحافی برادری کی جوان پود جابروں کا سامنا و رکھتی ہے جسے جھکانا سال خوردہ رجعت پسند ذہنیت کے بس کا روگ نہیں ہے ۔ وہ " شرعی سزا یافتگان " کے اس گروپ میں سے ہیں جنہیں اپنے مطالبات منوانے کی تگ و تاز میں کوڑوں کی سزا ملی ۔

اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے ترغیب و تحریص کا راستہ چھوڑ کر جس پر بزعم خویش محب وطن اور حق پسند صحافیوں کی ایک کھیپ ہنستی مسکراتی رواں دواں ہے، صعوبتوں اور آزمائشوں کا راستہ کس بنا پر اپنایا ، اقبال جعفری نے بڑے جوش سے کہا ۔

" جذبہ ــــ ذہن کا فیصلہ کہ ہم حق پر ہیں ۔ مجھے اپنے مقصد سے انحراف اور ساتھیوں سے غداری نہیں کرنا ہے "۔ پھر انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کوڑے کھانے والے سب نوجوان ہیں ۔ ان کا خون گرم ہے اور اس کی سرخی میں تابناکی ہے ۔ ان کا ولولہ تازہ ہے ۔ اس میں پژمردگی نہیں ہے ۔ انہیں کوئی اپنے مقصد سے ہٹا نہیں سکتا ۔ کوئی خرید نہیں سکتا ہے ۔ بک جانیوالے لوگ اپنی عمر رفتہ کے ساتھ زندگی کی حرارت کھو چکے ہیں ۔ ان کے ذہن ازمنہ وسطیٰ کے غلاموں کی طرح سامراجیت کے خوشہ چیں استحصال پسندوں کے ہاتھوں ماؤف ہو چکے ہیں ان میں خود کو استبداد کی زنجیروں سے چھڑانے کی سکت نہیں ہے ۔ لالچ نے ان کی آنکھوں کی روشنی دھندلا دی ہے "۔

سوال کیا گیا " آپ کے خیال میں پاکستان کا کون سا دور پریس کی آزادی کا دور تھا ؟ "

اقبال جعفری کا جواب تھا " میں نے شعور ایوبی مارشل لاء کے دور میں سنبھالا اور پریس کو اس وقت سے کبھی مکمل آزاد نہیں دیکھا ۔ ہر دور میں اس پر بندشیں رہیں نئی نئی شکلوں اور دائرہ کار کے قوانین لاگو رہے ۔ ایوب خان نے پریس کو اپنی خواہشات کا پابند کرنے کے لئے نیشنل پریس ٹرسٹ بنا ڈالا اور ملک کے بڑے بڑے اخبارات کو اس حصار میں قید کر لیا ۔ البتہ اجرت بورڈ ضرور تشکیل دیا لیکن وہ اپنے پروگرام یعنی پریس کو اپنی مرضی کے تابع رکھنے کے مقصد سے نہیں ہٹا ۔ پھر یحییٰ خان کا دور آیا ۔ اور اس نے بھی پریس کو اپنے حرم کی باندی بنائے رکھنے کی کوشش کی ۔ بھٹو حکومت میں بھی پریس کی آزادی کے دعووں کے باوجود اس پر طرح طرح سے قدغن رہی اب موجودہ دور اس اعتبار سے تمام ادوار پر بھاری ہے

غیر شرعی معاشرے میں شرعی سزاؤں کا کوئی جواز نہیں ہے

کہ اس میں صحافیوں کو اخلاقی مجرموں کی سطح پر لایا گیا اور انہیں کوڑے لگانے کی رسم ادا کرکے ازمنہ وسطیٰ کے دور کی یاد تازہ کی گئی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بڑے طمطراق سے پریس کی آزادی کا اعلان کیا۔ ریڈیو، ٹی وی پر دھوم دھام سے مذاکرے اور مباحثے کروائے گئے۔ لیکن دنیا دیکھ رہی ہے کہ پریس کتنا آزاد ہے۔ ایک صالح معاشرے کی داغ بیل ڈالنے کے لئے کن کن مقدس طریقوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ آئی جی کی ہدایات کے بغیر ایک چھوٹی سی خبر بھی نہیں چھپ سکتی۔ سنسر کے علاوہ ایک چور سنسر بھی ہے اور اخبارات کو قصیدے گانے پر اشتہارات سے نوازا جاتا ہے۔ ان پر تعریف و توصیف کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ انہیں حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ عطا کئے جاتے ہیں جب کہ ملک کو درپیش مسائل سے آگاہ کرنے والے دوست دشمن میں پہچان کرنے کا مشورہ دینے والے اور انسانی حقوق کا مطالبہ کرنے والے اخبارات اور جرائد کو مسلسل تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے۔ ان کا گلا گھونٹنے کے مسلسل اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ضمانت پر ضمانت طلب کی جا رہی ہے اور انہیں حق گوئی سے باز رکھنے کیلئے ہراساں کیا جا رہا ہے "مساوات"، "الفتح"، "معیار"، "امن" اور "صداقت" اور دوسرے کئی رسائل کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

سوال :۔ ان سب باتوں کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا خود حکومت ہے یا پس پردہ کچھ اور عناصر ہیں؟۔

جواب "بیوروکریسی، رجعت پسند، سیاسی محاذ پر شکست خوردہ عناصر اور سرمایہ دار، جو حکومت کے اندر بھی ہیں اور باہر بھی۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم بیوروکریسی ہے جو ہر حکومت کو غلط مشورے دیتی اور اسے غلط راستے پر ڈالتی ہے۔ یہ مفاد پرست اور شر پسند گروہ ہر دور میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے مفادات کو ملک کے وسیع تر مفادات پر مقدم رکھتا ہے۔ دراصل یہ ہر حکومت میں استحصالی طبقے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکومت سامراجیوں، توسیع پسندوں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے تسلط سے آزاد ہونا بھی چاہتی ہے تو بیوروکریسی اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتی ہے۔ اس کے کام میں رخنے ڈالتی ہے اور اس کے پروگراموں کو سبوتاژ کرتی ہے جیسا کہ عوامی حکومت کا حشر کیا گیا۔ موجودہ دور میں یہ ایک طرف تو فوجی حکام کی آلہ کار بن گئی ہے اور دوسری طرف ہر ممکن کوشش کر رہی ہے کہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کو ٹھیس نہ پہنچے اور حکومت کی ترقی پسند عناصر سے مفاہمت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اس طرح سیاستدانوں پر انکی بالادستی ختم ہو جاتی ہے۔

اقبال جعفری نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ حکومت پر تنقید خود اس کے حق میں بہتر ہے، کہا کہ تنقید خواہ کسی کی کسی پر ہو تعمیری ہونی چاہیئے۔ یہ ملک اور خود حکمران طبقے کے مفاد میں ہے۔ تنقید برائے تخریب کی طرح تنقید برائے تنقید بھی ٹھیک نہیں ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ موجودہ حکمران اس حقیقت کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ تنقید

ہم اپنے درمیان کالی بھیڑوں سے محتاط ہیں

کا حق صرف انہیں دینا چاہتے ہیں جو ان کے سُر میں سُر ملائیں اور ان کے اقدامات کو نہ سراہنے والوں کو سزائیں دیتے ہیں۔

ہم نے صحافیوں کو کوڑے لگائے جانے کی سزا کے بارے میں فوجی حکام سے کہا تھا کہ اس سے دنیا بھر میں پاکستان کی بدنامی ہو رہی ہے۔ لیکن عام قوانین کی خلاف ورزی پر کوڑے لگانے کی مثال کسی متمدن معاشرے میں نہیں ملتی ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں کے لئے روزگار نہیں ہے۔ سرمایہ داروں اور تاجروں کی لوٹ کھسوٹ ہے۔ قدم قدم پر رشوت، روزگار کے لئے سفارش درکار ہے۔ پڑھے لکھے لوگ بھی چوریاں کرتے ہیں۔ اس معاشرے میں تو چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا بھی شرعی جواز نہیں ہے کہ کجا صحافیوں کو جائز مطالبات پیش کرنے پر کوڑے مارے جائیں۔

ایک سوال کے جواب میں اقبال جعفری نے کہا کہ موجودہ حکومت نمائندہ حکومت نہیں کہلائی جا سکتی۔ کیونکہ وزراء عام انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آئے ہیں۔ کابینہ کو کسی حالت میں بھی نمائندہ کابینہ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم دیکھنا ہے کہ وزراء کو اپنے وعدوں کا کتنا پاس ہے کہ عام انتخابات کرائے جائیں گے اور ان سے پہلے معاشرے کو برائیوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ معاشی انصاف ہوگا۔ انسانی قدروں کو بحال کیا جائے گا۔ ہر شخص کو روزگار فراہم کیا جائے گا۔ ملکی معیشت کو استحکام حاصل ہوگا غرضیکہ یہ ایک مثالی معاشرہ ہوگا اور ہمارا ملک ایک مثالی ملک ہوگا۔

اپنی جیل یاترا کے تجربے کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل خدائی کا دعویدار نظر آتا ہے۔ اس کا رویہ دیدنی ہوتا ہے۔ قیدی اس کے سامنے یوں پیش ہوتے ہیں جیسے نعوذ باللہ خدا کے حضور پیش ہو رہے ہوں۔ جیل کی اصطلاح میں ایک چیز "ملاحظہ" ہوتی ہے جسے سپرنٹنڈنٹ جیل کا معائنہ کہہ لیں۔ ملاحظہ کے دوران انسانیت کی جتنی تذلیل ہوتی ہے اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ قیدیوں پر فرض ہوتا ہے کہ جوتے اتار دیں، ہاتھ باندھ لیں، نظریں نیچی رکھیں، بلند آواز سے بات کرنا قابلِ گرفت ہوتا ہے۔ اسی لئے قیدی کے دل میں اس سے اور اس کے ساتھ اس قانون سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جس کے تحت جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو خدائی دعوے کے اختیارات دیئے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جیل کا ماحول مجرم کو مزید مجرم بنانے کی تربیت دیتا ہے تاکہ وہ باہر نکل کر نامی گرامی مجرم بن جائیں۔ کہنے کو تو جیلیں اصلاح گھر ہیں لیکن وہاں رشوت کے عوض چرس افیون، بھنگ یہاں تک کہ شراب اور ہتھیار بھی مل جاتے ہیں۔ جس رفتار سے قانون انصاف دے رہا ہے وہ بے حد سست ہے۔ بہت سے لوگ مدتوں عدالتی جیل میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک لڑکے نے بتایا تھا کہ اس کے کیس کا نمبر ۴۵ تھا اور جج صاحب ایک ماہ میں تین کیس نمٹاتے رہیں۔

سوال پوچھا گیا کہ صحافت میں کالی بھیڑوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

جواب تھا "ہر شعبے اور ہر تحریک میں کالی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ البتہ میں اپنے ساتھیوں سے کہوں گا کہ ہمیں ان

سے خود کو محفوظ کر لیتا ہے۔ ان پر اعتماد نہیں کرنا ہو گا۔ یہ لوگ تحریکوں میں آتے ہیں اور جذباتی تقریروں، اور تحریروں سے کارکنوں کو اُلو بناتے ہیں لیکن اب ایسے لوگوں کا مستقبل ختم ہو چکا ہے۔ ان کا حشر برا ہو گا اور یہ دھوبی کے کتے کی طرح گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے۔ ہم بھی انہیں کبھی معاف نہیں کریں گے کیوں کہ گزشتہ تحریکوں میں اور حالیہ تحریک کے دوران ان کا کردار پرکھ چکے ہیں"۔

اقبال جعفری نے اپنے پابند سلاسل ساتھیوں کے حوالے سے کہا کہ ہماری روش اصولوں کے مطابق برقرار رہے گی اور ہمارے قدم کبھی متزلزل نہیں ہوں گے۔ ہم اصولوں پر سودے بازی نہیں کریں گے۔ مفاہمت کا بہت موقعہ دیا گیا لیکن اسے ضائع کر دیا گیا۔ اب منزل کو پانے تک جدوجہد کا راستہ ہے جس پر ہمیں گامزن رہنا ہے۔

اقبال جعفری اپنی والدہ کے بہت مرہون منت ہیں جنہوں نے ان کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ "لاہور میں میرے ساتھیوں کو سزائیں سنائی جا چکی تھیں۔ میری گرفتاری کے دن والدہ نے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے انہیں آزمانے کے لئے پوچھا کہ خود کو گرفتاری کے لئے میں پیش کروں یا نہیں۔ اس پر والدہ نے کہا کہ تم گرفتاری دے دو۔ تم حق پر ہو اور فتح تمہاری ہو گی۔ وہ جیل میں بھی مجھ سے ملنے آتیں تو میرا حوصلہ بڑھاتیں اور مجھے قدم پیچھے نہ ہٹانے کی تلقین کرتیں"۔

اقبال جعفری کی ایک شکایت یہ ہے کہ اخبارات میں تکنیکی شعبے سے تعلق رکھنے والوں کو مسلسل کام کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے پیشوں کی طرح ان کے لئے اوقات کار مقرر نہیں ہیں۔ نائٹ ڈیوٹی میں دو روپے الاؤنس ملتا ہے لہٰذا ان لوگوں کے لئے بھی اوقات کار کا تعین ہونا چاہیئے اور ان کی تنخواہیں زیادہ ہونی چاہئیں۔

اقبال جعفری اس پیشے سے ۱۹۷۶ء سے بحیثیت کاپی پیسٹر منسلک ہیں۔ ان کی خواہش صحافی بننے کی ہے اور وہ کام کے ساتھ تعلیم بھی جاری رکھ رہے ہیں وہ موجودہ کوڑوں کی سزا سے پہلے دسمبر ۱۹۷۷ میں بھی گرفتار ہوتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ صحافیوں اور پریس ورکروں پر ہر دور میں سیاسی لیبل لگایا گیا اور انہیں حکومت کی مخالف جماعتوں کا آلہ کار بتایا گیا۔ اخباری صنعت کے کارکن ہی نہیں بلکہ اس ملک کے عوام بھی اس پُر فریب بہتان تراشی سے اچھی طرح واقف ہیں اور اس کے ذریعے کسی کو بھی بدظن نہیں کیا جا سکتا۔

I

ڈیبٹ لائن - 3

میانوالی قصوری جیل میں تین ہفتے

غازی علم الدین کو میانوالی جیل میں پھانسی دی گئی تھی — !

میانوالی جیل میں گاندھی، مجیب الرحمان اور بھٹو رہ چکے ہیں

اسلم شیخ

جیل کی دنیا کے JARGON (اصطلاح) میں میانوالی سنٹرل جیل "قصوری" جیل کہلاتی ہے۔ یعنی جہاں کافی سخت جان مجرم بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ ایک سخت قسم کے ڈسپلن کے ذریعے ان کی اصلاح ہو سکے۔ اکثریت یہاں ان قیدیوں کی ہوتی ہے۔ جو جرائم پیشہ کہلاتے ہیں۔ اور اکثر قتل کے جرم میں۔ عام طور پر سیاسی قیدیوں یا ہم جیسے ایرے غیرے کے لئے بظاہر یہاں جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ مگر ہمارا انتخاب نہ جانے اس "اعزاز" کے لئے کس نے اور کس اطلاع پر کیا۔

میں نے اے پی پی کے افضل سے پوچھا۔ جو اپنے قد کاٹھ اور بھاری جثے کی وجہ سے اپنی موجودگی کا احساس تو فوراً دلاتا ہے مگر مجرم کسی صورت نہیں معلوم ہوتا۔ اور جو اتنا نرم دل ہے کہ دوسرے کی تکلیف سے فوراً بے قرار ہو جاتا ہے۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔ کہ اس بظاہر دیوانگی میں کوئی METHOD تو نظر نہیں آتا۔ اور پھر اس نے ہمارے دوسرے پانچ ساتھیوں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ کہ کیا ان میں کوئی عادی مجرم معلوم ہوتا ہے۔ ان میں حشمت وفا ہیں۔ امروز ملتان کے سینیئر سب ایڈیٹر۔ مرنجان مرنج انسان۔ ہر حال میں خوش۔ اور سخت سے سخت وقت میں گھبراہٹ کا اظہار نہ کرنے والا۔ اور پھر پی پی آئی کراچی کے جواں سال اور گٹھے ہوئے جسم کے صبیح الدین غوثی ہیں۔ ایک دلچسپ اور باہمت انسان۔ ہر وقت دوسروں کے مسائل کو سننے اور سمجھنے کے لئے تیار۔ پاکستان ٹائمز پریس راولپنڈی کے سب کا دکھ محسوس کرنے والے نسیم انور ہیں۔ مساوات لاہور کے نثیر انگن ہیں۔ جن کی آواز میں جادو ہے اور جنہوں نے میانوالی کے قیام کے دوران گیت اور غزلیں سنا سنا کر ہم سب قیدیوں کو کبھی "بور" نہیں ہونے دیا۔ اور ملت کراچی کے حفیظ ہیں ایک خاموش طبیعت انسان۔ مگر ہر لمحہ اپنے ساتھیوں کے لئے کام کرنے کے لئے مستعد۔ خواہ کھانا پکانے کے لئے آگ جلانی ہو۔ یا کپڑے دھونے ہوں۔ تو یہ تھے وہ لوگ جو میرے ساتھ اس "قصوری" جیل میں تقریباً تین ہفتے صبح شام ساتھ رہے۔

میانوالی کی مٹی کی دیواروں والی سنٹرل جیل تقریباً ۱۰۵ سال پرانی ہے۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ درانی صاحب نے ہمیں بڑی سنجیدگی سے اعتماد میں لیتے ہوئے بعد میں بتایا۔ "یہاں گاندھی سے لے کر مجیب الرحمان اور بھٹو تک پاک اور ہند کی تمام تاریخ ساز شخصیتیں رہ چکی ہیں۔ ۱۹۷۱ء کی تین دسمبر کی اس رات جب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مغربی محاذ پر بھی باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ تو مجیب الرحمن

یہیں تھا۔ "رنگیلا رسول" کے مصنف کے قاتل علم الدین
کو پھانسی بھی اسی جیل میں دی گئی۔ یہ سب سن کر
ہم نے سمجھا کہ ہم میں کوئی خاص بات ضرور ہے جو
ہمیں یہاں بھیجا گیا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی
"اہمیت" کے ایک خیالی احساس سے ہم خوش ہوگئے
اور پھر خدا خدا کرکے جیل کا بڑا دروازہ کھلا
جس کے ماتھے پر لکھا ہوا۔ پاکستان زندہ باد۔
پائندہ باد۔ بڑے زور و شور سے ہمارا استقبال کر
کر رہا تھا۔ لیکن ابھی بڑے گھر میں داخل ہونے سے
پہلے ایک مرحلہ باقی تھا۔ فی الحال ہمیں اس کی
ڈیوڑھی میں کھڑا کیا گیا۔ ہماری شناخت کی گئی،
تاکہ اس امر کی تسلی کی جا سکے۔ کہ ہم ہی اصلی سرکاری
مہمان ہیں۔ اور کوئی نقلی آدمی اندر داخل نہ ہو جائے۔ اس
مقام پر جو درم و دام اپنے پاس تھا۔ وہ ہم سے لے لیا
گیا کیونکہ جیل کے اندر نقد رقم اپنے پاس رکھنا غیر قانونی
ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کرنسی کی سمگلنگ کے تمام دروازے
جیل کے چھوٹے درجہ کے ملازمین کے ذریعے بڑی خوبصورتی
سے کھلے رکھے گئے ہیں۔ یہ تمام راز ہم پر بعد میں فاش
ہوتے۔ فی الحال ہم نے خیر اسی میں سمجھی کہ جیب تلاشی
سے بچنے کے لئے کوئی ۱۲۰ روپے (نصف جس کے
۶۰ روپے ہوتے ہیں) جیل کاؤنٹر پر الٹ دیئے تاکہ
جیل کی حفاظت میں رہیں۔ ان تمام لوازمات سے فارغ
ہونے پر ہمیں مجرموں کے لئے پنجاب کی اس عظیم تربیت گاہ
میں داخلے کے لئے موزوں قرار دے دیا گیا اور اب
ایک بار پھر "یہ وہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ" کے
مصداق سفر کے اگلے مرحلے کے لئے تیار ہوگئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر سے جسیم قفل کھول
دیا گیا اور ہمیں اندر دھکیل دیا گیا۔

بظاہر ہم نے چند قدم کا ہی فاصلہ طے کیا تھا
مگر درحقیقت یہ ایک پھلانگ تھی۔ ایک دنیا سے
دوسری دنیا کی طرف۔ آزادی سے غلامی کی طرف۔ اس
دروازے کے دونوں طرف چند قدموں کا نہیں بلکہ کئی
صدیوں کا فاصلہ تھا۔ غوری نے اپنے مخصوص انداز میں
کہا۔ "شاید شہزادوں کے گاؤں ایسے ہی ہوں گے"۔

درحقیقت ہمیں اچانک جس وسیع اور عریض
علاقے کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ وہ ایک پسماندہ گاؤں
سے مشابہ تھا۔ جہاں اکثر دیواریں اور کمرے مٹی کے
تھے۔ ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ اب ہمیں کیا کرنا
ہے۔ کہ ایک کرخت آواز نے ہماری رہنمائی کی۔ "ادھر
سامنے چکر وچ چلے جاؤ۔ چکر منشی تے کول۔"
"ایک چکر ہے میرے پاؤں میں"۔ اور میں اپنے
چھ ساتھیوں کے ساتھ اس طرف روانہ ہوا۔ جو اس
"گاؤں" کا مرکزی دفتر تھا یا اس CONCENTRATION
کیمپ کا کنٹرول ٹاور۔ وہاں ایک "چکر"، منشی چند
رجسٹروں میں دبا۔ اور دو تین عدد تھکے ہارے جیل
کے عملے میں گھرا (جنہیں بظاہر اپنے گرد و پیش کی
کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی) فرش پر بیٹھا اونگھ
رہا تھا۔ (صبح کے قریباً ۹ یا دس بجے) اس نے
ہماری طرف دیکھا۔ مگر بظاہر کوئی دلچسپی کا اظہار
نہیں کیا۔ ہم نے اسے اپنی "اہمیت" کا احساس
دلانے کے لئے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم کوئی
معمولی اخلاقی مجرم نہیں ہیں۔ اسے بتایا کہ ہم وہ
صحافی ہیں۔ جو آزادئ صحافت قسم کے جرم کے سزا وار
ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ سب ٹھیک ہوگا۔ مگر فی الحال
مجھے آپ لوگوں کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا۔
میں نہیں جانتا کہ مجھے آپ کا کیا کرنا ہے۔

ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب ہم کو کیا
کرنا چاہیئے کہ اچانک ایسا معلوم ہوا کہ بھونچال آگیا
ہے۔ یا اس "گاؤں" پر کسی باہر کی طاقت نے حملہ
کر دیا ہے۔ ہر شخص نے ادھر ادھر بھاگنا شروع
کر دیا۔ یا مختلف جگہوں پر چھپنا شروع کر دیا۔ ہم
پریشان اور ہراساں تھے کہ یا اللہ کس مصیبت
میں گرفتار ہوگئے کہ ایک کھدر کی سفید یونیفارم
میں ملبوس ایک قیدی نے ہم کو "چکر" کے ساتھ
والی "چکی" کی طرف دھکیلا۔ اور کہا چلو وہاں جا کر
فی الحال بیٹھو۔ "دورہ آرہا ہے"۔ اس لئے کسی کو
اپنے سیلز سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ تھوڑی
دیر بعد معلوم ہوا کہ جیل کے باسیوں پر اچانک گھبراہٹ
اور سراسیمگی کا دورہ اس لئے پڑ گیا ہے کہ جیل
کے بڑے خدا یعنی سپرنٹنڈنٹ صاحب اپنے تحت
افسروں کے ساتھ جیل کے معائنہ پر نکلے ہیں تاکہ
اپنی رعایا کی خیر و عافیت معلوم کر سکیں۔ یہ قریباً
روز کا معمول تھا۔ اور ہر روز ایسے موقع پر کرفیو
لگنے کا سماں ہو جاتا تھا۔ ہم جس "چکی"، جو نو واردان
کے لئے ایک قسم کی انتظار گاہ تھی۔ کی طرف دھکیل دیئے
گئے۔ وہ لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہر قسم کے
لوگوں سے، جس میں قتل کے سزا وار بھی تھے دوسرے
جرائم پیشہ بھی، اور ایک بڑی تعداد ان میں پی پی پی
کے ان سزا یافتہ کارکنوں یا نظر بندوں کی تھی جو اسی
دن پنڈی جیل سے منتقل کئے گئے تھے۔ پنڈی جیل
بھٹو کی لاہور سے پنڈی منتقلی کے سلسلے میں خالی
کرالی گئی تھی۔

میانوالی جیل میں جگہ کی تنگی ایک دائمی مسئلہ ہے
حالانکہ رقبہ کے لحاظ سے یہ کافی بڑی جگہ ہے زیادہ تر
"سی" کلاس قیدی ہوتے ہیں۔ جنہیں سو ڈیڑھ سو کے
گروپ میں بڑی بڑی "بارکوں" میں رکھا جاتا ہے۔

ہماری رہائش کا مسئلہ جیل کے حکام کے لئے
سارا دن دردِ سر بنا رہا۔ ایک طرف جگہ کی تنگی، دوسری
طرف یہ خیال کہ ہم صحافی لوگ "خطرناک" قسم کے لوگ
ہوتے ہیں۔ ہمیں ایسی جگہ رکھا جائے۔ جہاں ان کا
اس دنیا کے باقی باسیوں سے کم سے کم رابطہ رہے۔
اور اس جگہ کے بہت سے راز، راز ہی رہیں۔ وہ
اس چیز سے بھی پریشان تھے۔ کہ ہم لوگوں کو "سی"
کلاس کے سزا یافتہ بنا کے کیوں بھیجا گیا ہے۔ حالانکہ
ہم ضمیر کے قیدیوں کی کٹیگری میں آتے ہیں ہم سے
کیسا سلوک کیا جائے۔ بظاہر اس مسئلہ پر ان کے پاس
کوئی خاص ہدایت بھی نہ تھی۔ وہ خاصے مخمصے میں تھے۔
بہر حال سپرنٹنڈنٹ نے بہت سوچ کر ہمارے لئے
ایک کمرے کا انتخاب کیا جو قدرے آرام دہ بھی تھا۔
اور کسی حد تک جیل کے بہت سے حصے سے الگ تھلگ
بھی۔ مگر ایک دقت ابھی باقی تھی۔ وہاں جو دس پندرہ
قیدی اور نظر بند پہلے سے قابض تھے۔ انہیں کہاں
بھیجا جائے۔ اور کیسے۔ جیل کے سب سے بڑے
حاکم کی مرضی تو یہی تھی کہ صرف ہم اس کمرے میں رہیں
مگر کوئی دس اور آدمیوں نے جنہوں نے وہ جگہ جیل کے
کچھ دوسرے عملے کو کسی خاص طور پر "خوش" کر کے
الاٹ کرائی تھی، اسے خالی کرنے سے پس و پیش کر
رہے تھے۔ بڑی مشکل سے اور کچھ ہماری مداخلت
سے سمجھوتہ ہوگیا اور وہ یہ کہ ہم ساتھ آدمیوں سمیت
وہاں ۱۷ آدمی ٹھہر جائیں گے۔ اور اس طرح ہم وہاں
شام تک مقیم ہو سکے۔ اور پھر مغرب کی اذان
قبل ہی ہمارے کواڑوں کو مقفل کر دیا گیا۔

"اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر دو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا"

(جاری ہے)

ٹنڈوالہ یار کالج کی تقریب حلف برداری میں صحافیوں کی حمایت کا عہد

ٹنڈو الہ یار

کامل سمولا

فصلیں تباہ اور بستیاں پانی میں بہہ گئیں

برنا کی قیادت میں صحافی اپنے مطالبات تسلیم کرالیں گے
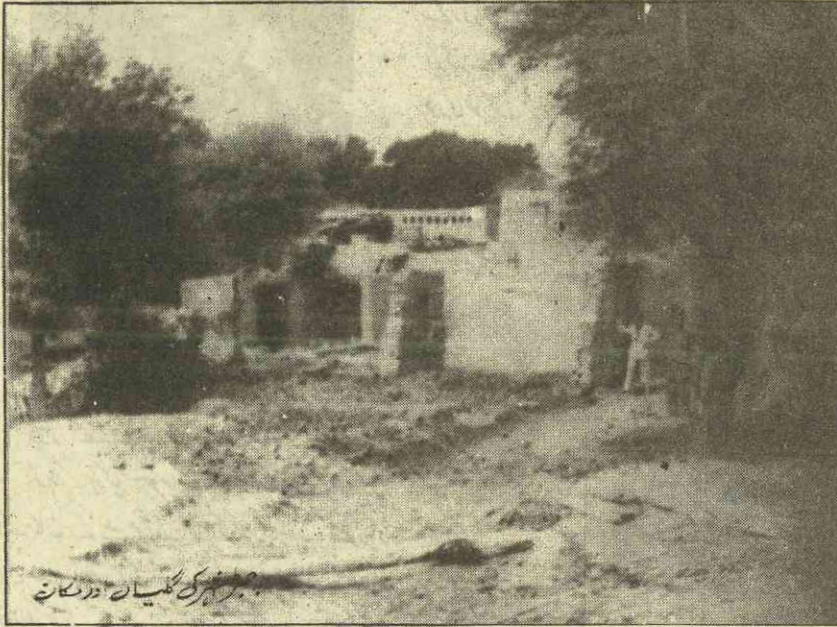
گورنمنٹ ایس ایم آرٹس ڈگری کالج ٹنڈو الہ یار میں طلبہ یونین کی طرف سے ایک تقریب کا اہتمام ہوا اِس تقریب میں طلبہ کے نئے منتخب عہدیداروں نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا اِس تقریب کی صدارت کالج کے پرنسپل جناب سرور شیخ نے کی جب کہ اس جلسے میں مہمان خصوصی پروفیسر عبدالرزاق میمن تھے۔ حلف برداری کے موقع پر نو منتخب جنرل سکریٹری موجود نہیں تھے۔ باقی تمام عہدیداروں نے حلف اٹھایا ان عہدیداروں کے نام اور تفصیل عہدوں کی اس طرح ہیں۔ آتالیق الزمان صدر، عباس ہالیپوٹہ نائب صدر، اللہ داد میرجت جوائنٹ سکریٹری اور لونگ خان کمہار کلاس نمائندہ۔ تقریب ختم ہونے کے بعد کالج کے پرنسپل جناب شیخ رخصت ہو گئے اور بعد میں سندھ کے عظیم صوفی شاعر حضرت عبداللطیف بھٹائی کی یاد میں یومِ لطیف منایا گیا اور کالج میں رات دو بجے تک موسیقی کی محفل ہوتی رہی۔

قبل ازیں کالج میں یونین کے منتخب جوائنٹ سکریٹری مسٹر اللہ داد میرجت اور پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم مسٹر محمد حنیف لغاری نے نمائندہ پربھات سے کہا کہ حکومت کو چاہیئے کہ وہ صحافیوں کو رہا کرے اور ملازمتوں سے برطرف کئے جانے والے صحافیوں کی ملازمتیں بحال کرے۔ ان طلبہ نے کہا کہ صوبہ سندھ کے تمام طلبہ صحافیوں کے مطالبات کو جائز سمجھ کر صحافیوں کے ساتھ مکمل ہمدردی رکھتے ہیں اس لئے طلبہ ہر وقت پر صحافیوں کے مطالبات کی حمایت اور ان کے لئے ہر قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا وہ دن دور نہیں جب مسٹر منہاج برنا کی قیادت میں صحافی اپنے تمام مطالبات کو تسلیم کرائیں گے۔

مسٹر اللہ داد میرجت اور مسٹر محمد حنیف لغاری نے حکومت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ تمام گرفتار شدہ طلباء جن میں سید حسین شاہ بخاری، عبداللطیف منگریو، عالم شاہ اور نذیر عباسی شامل ہیں، کو فوری طور پر رہا کر کے طلباء میں پائی جانے والی بے چینی کو دور کریں۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کی چھانٹی اور کسانوں کی بے دخلی اور ان کی گرفتاریوں کا سلسلہ بند کیا جائے ملک کے عوام کی خواہشات کو مدِنظر رکھتے ہوئے عام انتخابات کی قطعی تاریخ کا فوری طور اعلان کیا جائے انہوں نے کہا کہ انتخابات کی تاخیر

سپات ٹنڈو الہ یار کے مسٹر محمد حنیف لغاری

کے نتائج ملک اور قوم کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے اور اس کی تمام تر ذمہ داری موجودہ حکومت پر ... ہوگی ان طلباء نے کہا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد افسر شاہی کی حاکمیت پھر لوٹ آئی ہے ... سرکاری افسران اپنی من مانی سے کام لے رہے ہیں ... کے حالات کو مزید خراب ہونے سے بچانے کیلئے ...ری انتخابات کرانا شدید ضروری ہے ان طلبہ نے ... زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ منہاج برنا اور ان کے تمام ساتھیوں کو فوراً رہا کیا جائے اور صحافیوں پر حملہ کرنے والے غنڈوں کے خلاف سخت قانونی قدم اٹھایا ... ئے ہوئے کہا یہ صحافی حق پر ہیں اس لئے فتح آخر حق کی ہوگی۔

برساتی سیلاب کی تباہ کاریوں نے عام کاشت کاروں کو شدید مشکلات میں مبتلا ... موجودہ بارشوں نے وادیٔ مہران کے سرسبز و شاداب علاقہ ٹنڈوالہ یار میں
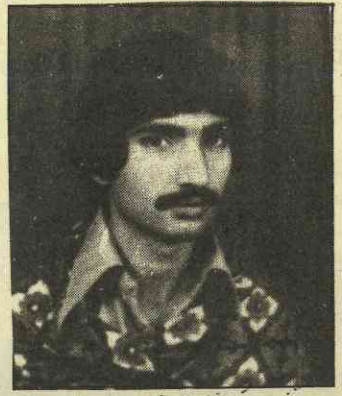
دست تباہی مچا رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہزار ایکڑ زمین زیرِ آب آنے کی وجہ سے ان زمینوں پر کی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں خصوصاً پھٹی کی فصل کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ بارشوں کے دوران نصر پور کے علاقے میں دیوار گرنے سے ایک غریب ہاری دیوار کے ملبے تلے دب کر ہلاک ہو گیا سنجر چانگ میں بھی ایک شخص محمد بچل ایک مکان کے ملبے میں دب کر ہلاک ہو گیا سب سے زیادہ اس سب ڈویژن کے ایک زرخیز علاقے چمبڑ میں فصلوں کو نقصان پہنچا ہے دیہی علاقوں میں تین سو سے زائد مکانات منہدم ہو گئے ہیں اور ہزاروں مکانات کو سخت نقصان پہنچا ہے سینکڑوں خاندان بے گھر اور کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں پانی میں بہہ گئی ہیں۔ سینکڑوں غریب متاثرین حکام کی فوری توجہ کے بے چینی سے منتظر ہیں۔

ٹنڈو الہ یار سے چمبڑ جانے والی پختہ سڑک ڈھائی میل تک زیرِ آب آنے کی وجہ سے ٹریفک کا نظام معطل ہو کر رہ گیا ہے اور کئی دنوں سے چمبڑ کا علاقہ مرکزی شہر ٹنڈو الہ یار سے بالکل ہی کٹ کر رہ گیا ہے چمبڑ شہر میں سینکڑوں مکان بارشوں سے متاثر ہو کر گر پڑے ہیں منہدم ہونے والے ان مکانوں کے مکین کسمپرسی کے عالم میں زندگی گذار رہے ہیں چمبڑ کے علاقے میں بری طرح متاثر ہونے والی چند بستیوں کے نام یہ ہیں۔ گوٹھ راضی فقیر، گوٹھ بودو ماچھی گوٹھ دریام ماچھی، گوٹھ پیر النودل، گوٹھ حامد پنجابی، گوٹھ خیفانی، گوٹھ نیاز زند، گوٹھ صوفی پنجابی، گوٹھ غازی زند، گوٹھ میر محمد مدداتی، گوٹھ نصیر خان مدوانی، گوٹھ میر محمد میروانی، گوٹھ سعید خان لغاری، گوٹھ میراں کھوسی، گوٹھ سنوی سید الطاف علی شاہ اور شہر سنجر چانگ۔

اس سب ڈویژن کے مرکزی شہر ٹنڈو الہ یار کی حالت سمی قابلِ رحم ہے۔ شہر کے چاروں اطراف میں گندے پانی کے جو بڑے بڑے گٹر ہیں وہ اس وقت برساتی پانی سے بالکل ہی بھر چکے ہیں۔ گندے پانی کے بڑے گٹر کے قریب انڑ محلے کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ محلہ پہلے ہی سیم کی نظر ہو چکا ہے بارشوں کے دوران اس محلے کے کئی مکانات منہدم ہو گئے ہیں اگر گندے پانی کے اس بڑے گڈھ سے پانی نکالنے کا فوری طور کوئی مؤثر انتظام نہ کیا گیا تو پورا شہر سیم کی نظر ہو کر چند برسوں میں زمین میں دھنس جائے گا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس ایمرجنسی کے وقت ٹنڈو الہ یار کے تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں کوئی ڈاکٹر موجود نہیں ہے اس ہسپتال کے ڈاکٹر چھٹیاں لے کر اسی شہر میں اپنے پرائیویٹ کلینک میں کام کر رہے ہیں۔ یہ بڑا سرکاری ہسپتال صرف کمپونڈروں کے رحم و کرم پر چل رہا ہے۔ حادثات میں زخمی ہونے والے مریضوں کو علاج کے لئے یا موت کا شکار ہونے والے لوگوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے ذاتی اخراجات پر حیدرآباد روانہ کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر ڈاکٹر صاحب موجود نہیں ہیں، یہ ہے محکمۂ صحت کی کارکردگی کی منہ بولتی تصویر۔ اللہ ہی حافظ ہے۔

نوکوٹ۔ تھرپارکر

اللہ دتہ بلوچ

چونگی ٹیکس میں اضافے نے ہلچل مچادی

طلبہ کی کوئی انقلابی تنظیم حکومت کے ساتھ نہیں ہے

پورے صوبہ سندھ میں چونگی ٹیکس جوں کا توں ہے لیکن صرف ضلع تھرپارکر میں اس میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا۔ جس سے اس ضلعے کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک محسوس ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت غریب ہیں اور اس پر مہنگائی نے کمر توڑ رکھی ہے۔ ٹیکس میں اضافے سے مہنگائی اور بڑھے گی جو غریب عوام کے لئے مزید پریشانیوں کا باعث ہوگی۔

شہروں میں اشیائے خوردنی لے کر آنے والے دیہاتی بیوپاری اتنا بھاری ٹیکس برداشت نہ کر سکیں گے اور مقامی طور پر مارکیٹ تلاش کریں گے جہاں ٹیکس نہ دینا پڑے۔ اس سے سبزی منڈیاں تباہ ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر جھڈو یا نوکوٹ کا مال شہر آنے کی بجائے روشن آباد یا رحمان آباد جایا کرے گا۔ جس جنس پر ایک روپیہ فی من منافع کا کاروبار ہو رہا ہو اس پر سات روپے فی من چونگی ٹیکس کیسے برداشت کیا جائے گا؟ مقامی انتظامیہ نے حکومت کو یہ تاثر دے رکھا ہے کہ ٹیکس بڑھانے سے ترقیاتی کام ہوں گے، جو بالکل غلط تاثر ہے۔ ترقی کا راز ٹیکس کے صحیح استعمال میں ہے نہ کہ ٹیکس بڑھانے میں اس سلسلے میں انتظامیہ نے جو ترقیاتی کام کئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے۔ حال ہی میں نوکوٹ میں ایک سڑک کی مرمت ہوئی ہے، اس کا معائنہ کیا جائے اور دیکھا جائے ٹیکس کا استعمال ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔

اس نئے ٹیکس نے سارے تھرپارکر میں ہلچل مچادی ہے۔ سول کورٹ میں مقدمے دائر کئے جا چکے ہیں۔ اور بیوپاریوں نے اگلے سال کا مال منگوانا بند کر دیا ہے۔

کسانوں کی تعزیت کون کرے!

محمد رمضان : قیدی مچھ جیل - جوائنٹ سیکرٹری پاکستان ورکرز فیڈریشن

دوپہر ۱۲ بجے کے قریب جدید قسم اور سفید رنگ کا ایک بڑا ہیلی کاپٹر مچھ سنٹرل جیل کے اوپر سے کوئٹہ سے سبی کی سمت پرواز کر رہا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک فوجی قیدی بھی کھڑا ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہا تھا۔ فوجی نے کہا کہ "جنرل ضیاالحق جا رہے ہیں"۔ ہم نے کہا کہ "آپ کو کیسے معلوم کہ یہ جنرل ضیاالحق صاحب کا ہیلی کاپٹر ہے"۔ اُس نے فوراً ہی جواب دیا "مجھے معلوم ہے میرا تعلق ایس ایس جی کمانڈوز سے ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ امریکی ہیلی کاپٹر ہے۔ سابق وزیر اعظم بھٹو صاحب بھی بلوچستان کے دورے میں ہمیشہ یہی ہیلی کاپٹر استعمال کرتے تھے"۔ ایک ساتھی نے کہا کہ "یہ ٹھیک کہتا ہے آج کے اخبار میں بھی جنرل ضیاالحق کا رودھان جمالی جانے کا پروگرام لکھا ہے"۔ میرا خیال تھا رودھان جمالی کوئٹہ سے قلات یا مستونگ وغیرہ کی طرف ہوگا۔ اس لئے میں نے کہا کہ اس طرف رودھان جمالی کہاں ہے۔ انہوں نے مجھے رودھان جمالی کی تفصیلات بتائیں وہ میں پورے پاکستان کے عوام کو بتانا چاہتا ہوں

۲۲ دسمبر ۱۹۷۷ء کو بلوچستان کے ضلع نصیر آباد پٹ فیڈر کے علاقہ میں جمالی خاندان نے گوٹھ میر گل اور گوٹھ علی مراد کے کسانوں کی فصلیں لوٹنے اور ان کو زرعی اصلاحات کے تحت الاٹ کی گئی سرکاری اراضی سے بے دخل کرنے کے لئے مسلح حملہ کیا تھا۔ اس حملہ میں جمالی خاندان نے تقریباً ۳۶ گھنٹے فائرنگ کی جس سے دس کسان شہید ہوئے اور ۳۶ گھنٹے تک کسانوں کے پانی کے تالاب پر حملہ آوروں کا قبضہ رہا جس سے معصوم بچے پیاس کی وجہ سے روتے چلاتے رہے۔ کسانوں کے مکانوں کی تمام دیواریں گولیوں سے چھلنی ہوگئیں۔ اس حملہ میں جمالی خاندان نے سندھ اور بلوچستان بھر سے کرائے کے قاتلوں اور جاگیرداروں کے باڈی گارڈوں کا پانچ ہزاری لشکر منتظم کیا تھا۔

میدانِ جنگ کے کمانڈر میر ظفر اللہ خان جمالی تھے جب کہ خارجہ محاذ پر میر مراد خان جمالی اور میر تاج محمد خان جمالی کافی سرگرم نظر آتے تھے۔ جب کسانوں نے میدانِ جنگ کے کمانڈر میر ظفر اللہ خان جمالی اور اُن کے سرکردہ محافظوں کو ایک خالی مکان میں گھیر لیا تو یہ خارجہ محاذ کا کمال تھا تحصیل دار، نائب تحصیل دار اور پوری ضلعی انتظامیہ بمعہ لیویز کے میدانِ جنگ میں بروقت کود پڑی۔ جمالی حملہ آوروں کی جان بچانے کے لئے امن کے نام پر لیویز کی مدد سے کسانوں کے ہتھیار چھینے گئے۔ کسانوں کو نہتا کر کے میر ظفر اللہ خان جمالی کی جان بچائی گئی۔ اس کے بعد ضلعی انتظامیہ کا امن پروگرام مکمل ہو گیا اور افسر واپس روانہ ہو گئے۔ اُن کی روانگی کے ساتھ ہی گولیاں چلنی شروع ہو گئیں جس کی آواز تحصیل دار نے بھی ضرور سنی ہو گی۔ لیکن بے فکر تھے کیونکہ یہ یک طرفہ فائرنگ تھی۔ کسان نہتے تھے اور اس کے بعد کی فائرنگ سے دس کسان شہید ہوئے۔ موقع پر موجود تینوں کمانڈر میر ظفر اللہ خان جمالی، میر محمد مراد خان جمالی اور میر تاج محمد خان جمالی یہ سمجھتے ہوئے واپس ہو گئے کہ پورے پٹ فیڈر کے علاقے کے کسانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے یہ کارروائی کافی ہے۔

اس خونریزی کو چھپانے کے لئے جمالی برادران نے بھرپور کوشش کی مگر مظلوم کسانوں کا خون چھپنے کی بجائے اور بھی رنگ لایا۔ شاید پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار کسانوں نے اتنی بڑی جانی قربانی دینے کے باوجود فصلوں سے بٹائی یا زمینوں سے بے دخلی کی شرائط کو مسترد کر دیا اور میدان میں سینہ کھولے کھڑے رہے کہ جان دے دیں گے لیکن اپنا حق نہیں دیں گے۔ کسانوں کی اس جرأت نے نوکر شاہی کو ایک بار پھر مجبور کیا کہ وہ درمیان میں آئے۔ سرسوں کی جو فصل جاگیردار اٹھانے میں ناکام ہو گئے تھے اُسے متنازعہ قرار دے کر اس پر لیویز کا پہرہ لگا دیا گیا اور گولی کا جواب گولی سے دینے کے جرم میں گوٹھ میر گل اور گوٹھ علی مراد کے تمام نوجوان کسانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

کسانوں پر اس ظالمانہ تشدد کے خلاف اسلامی سیاسی یا ریاستی حلقوں میں مکمل خاموشی رہی لیکن محنت کشوں کی تنظیموں کو اس قتلِ عام کا علم ہوا تو پورے ملک میں اس انسانیت سوز تشدد کے خلاف احتجاج بیان کرا[illegible] حیدرآباد، [illegible]، [illegible] کے [illegible]، طالب علم رہنماؤں نے کسانوں کی اس احتجاجی تحریک میں حصہ لیا۔ جس کے یہ مطالبات تھے کہ (۱) کسانوں کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف قتل کا مقدمہ چلایا جائے۔ کسانوں کے ورثا کو معاوضہ دیا جائے (۲) گرفتار شدہ کسانوں کو غیر مشروط رہا کیا جائے۔ ان کے خلاف قائم کردہ جھوٹے مقدمات واپس لئے جائیں۔ (۳) کسانوں کو الاٹ شدہ زرعی اراضی کا قبضہ جاگیرداروں سے لے کر کسانوں کو دلایا جائے۔ احتجاجی جدوجہد کے شروع ہونے سے پہلے ہی ضلعی انتظامیہ نے قاتلوں کی گرفتاری کے مطالبے کے علاوہ کسانوں کے تمام مطالبات ماننے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ساری احتجاجی جدوجہد کسانوں کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ منوانے کے لئے کرنی پڑی۔ جعفر رضا، حمیدہ گھانگھرو، الطاف الرحمٰن، محمد سلیم، پیر بہار الدین اور ان کے ساتھ ہم کسانوں کو قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کرنے کے "جرم" میں گرفتار کر لیا۔

۲۱ جولائی کو مسجد کے دروازے کے قریب میر محمد خان جمالی کو قتل کر دیا گیا۔ پورے ملک کے رجعت پرست اخبارات میں کہرام مچ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام اور نظریۂ پاکستان پر حملہ کیا گیا۔ یا کوئی بنیادی اینٹ ہی سرک گئی ہے۔ یہی اخبارات بے شمار کسانوں کی ہلاکت پر خاموش رہے جیسے مرنے والے مسلمان اور پاکستانی نہ تھے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ کسان بھی مسلمان تھے اگر آپ اُن کو مسلمان نہیں مانتے تو بھی انسان تو تھے اُن کے قاتلوں کی گرفتاری کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ ہم تو قاتلوں کی گرفتاری کے لئے سزا کاٹ رہے ہیں۔ ہم بھلا کیسے قاتلوں کی گرفتاری کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ ہاں ہم آپ سے یہ درخواست ضرور کرتے ہیں کہ ہم میر محمد مراد خان جمالی کے قاتلوں کی گرفتاری کے مطالبہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور آپ لوگ بھی اُن دس کسانوں کے قاتل پورے جمالی خاندان کی گرفتاری کے جائز مطالبہ کو منوانے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ کیا "ہیلی کاپٹر" میر مراد خان جمالی کے خاندان سے اظہارِ تعزیت کے لئے رودھان جمالی جا سکتا ہے، تو پٹ فیڈر کے ان سوگوار خاندانوں کے آنسو نہیں پونچھ سکتا۔ جن کو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دن دہاڑے ظلم نگل گیا۔

لاہور

محمد شریف زاھد

پنجاب شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن کے مطالبات

تنخواہوں کے باقاعدہ گریڈ اور گزارہ الاؤنس مقرر کیا جائے

ٹارچر کیمپ ختم کیا جائے، تشدد کرنیوالوں کو سزا دی جائے

صدر پنجاب شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن شوکت حسین نیازی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ شوگر ملوں کے محنت کش انتہائی مشکل حالات سے دوچار ہیں۔ ان ملوں کے آدھے سے زیادہ مزدور سیزنل ہوتے ہیں۔ سال میں چار سے چھ ماہ تک ملازم رہ کر باقی عرصہ بے روزگار رہتے ہیں۔ ان کا یہ دیرینہ مطالبہ رہا ہے کہ سیزنل مزدوروں کے لئے کم از کم تین صد روپے ماہوار گزارہ الاؤنس مقرر کیا جائے، تنخواہ کے گریڈ باضابطہ بنائے جائیں۔ اور کم از کم سات سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی جائے ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے پابندی ختم کی جائے۔ گرفتار شدہ مزدوروں، صحافیوں، طلبہ اور دیگر کو رہا کیا جائے۔

مطالبات کے بارے میں پنجاب شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن تحمل سے کام لیتے ہوئے افہام و تفہیم کے ذریعے مسائل کے حل کے لئے کوشاں رہی ہے۔ لیکن مسائل حل کرنے کی بجائے الجھا دیئے گئے۔ جڑانوالہ کے سات مزدوروں کو نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ خانپور کے پندرہ ٹریڈ یونین کارکنوں اور رہنماؤں کو فیکٹریوں میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ لیبر کورٹ سے بحال ہونے والے مزدوروں کو شوگر ملز چشتیاں نے ڈیوٹی پر لینے سے انکار کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ مزدوروں پر جھوٹے فوجداری مقدمات قائم کئے گئے۔ اس پر پنجاب شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن نے ۲۲ جولائی سے بھوک ہڑتال کا فیصلہ کیا لیکن انتظامیہ کی بات چیت پر رضامندی پر بھوک ہڑتال کی تاریخ ۲۲ جولائی سے بڑھا کر ۳۱ جولائی کر دی گئی۔

اسی دوران تنظیمی سلسلے میں چیف آرگنائزر شفیق وزیری اور جوائنٹ سکریٹری غلام عباس شاکر اور شوکت حسین نیازی جڑانوالہ میں ورکرز یونین کے دفتر میں قیام پذیر تھے۔ ۲۸ جولائی کی رات دو بجے ایس۔ پی جڑانوالہ کی قیادت میں پولیس پارٹی دفتر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئی اور بغیر وارنٹ دکھاتے اور بغیر وجہ بتائے انہیں گرفتار کر لیا۔ پولیس پارٹی میں چار اے ایس آئی اور ساٹھ کے قریب سپاہی شامل تھے۔ جو ایک بس میں سوار ہو کر آئے تھے۔ اس کے بعد انہیں تھانے لے جایا گیا اور وہاں تین بجے تک بٹھائے رکھا۔ پھر انہیں حسین شوگر ملز کی جیپوں میں سوار کرا دیا گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ میانوالی جیل لے جایا جا رہا ہے کیوں کہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ درج ہے۔ جوہر آباد سے آگے شفیق وزیری کو پچھلی جیپ میں منتقل کر دیا گیا۔ غلام عباس شاکر کو پہلے ہی پچھلی جیپ میں بٹھایا گیا تھا۔ راستے میں پچھلی جیپ علیحدہ ہو گئی۔ اس کے بعد شفیق وزیری اور غلام عباس شاکر کا کچھ پتہ نہ چلا۔

شوکت حسین نیازی کو کمر مشالی لے جا کر نہر پر اتار گیا وہاں سادہ لباس میں ملبوس چار آدمی سبز رنگ کی جیپ میں موجود تھے جنہوں نے انہیں قابو میں کر کے زبردستی جیپ میں بٹھا دیا۔ اور ان کی آنکھوں پر پلاسٹر لگا دیا۔ جیپ نامعلوم مقام کی طرف ایک گھنٹہ چلتی رہی اور پھر رک گئی۔ اس کے بعد ایک کمرے میں لے جایا گیا اور آنکھوں پر سے پلاسٹر اتار دیا گیا۔ اس کمرے میں اذیت رسانی کے آلات موجود تھے۔ پہلے انہیں پیار سے سمجھایا گیا کہ میں وہ سب کچھ مان جاؤ جو کہ وہ کہتے ہیں لیکن ان انکار پر سختی شروع کر دی گئی۔ پہلے ہنٹر اور مکوں سے مارا گیا اور پھر کرسی سے باندھ کر تیز بلب کی روشنی میں جگائے رکھا گیا۔ اس دوران سوئیاں چبھوئی گئیں اور مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ یہ کہیں کہ تخریب کاری کرنا چاہتے ہیں اور بموں سے فیکٹریوں کو اڑانا چاہتے ہیں۔ ملک میں بے چینی پیدا کر کے موجودہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں جب یہ بیان دینے سے انکار کر دیا تو پستول دکھا کر جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئیں۔

انہیں دوسرے دن شام سات بجے آنکھوں پر پلاسٹر لگا کر اور جیپ میں بٹھا کر میانوالی سے سات میل دور یکی نہر پر چھوڑ گیا۔ دھمکی دی گئی کہ اگر یہ سب کچھ انہوں نے کسی کو بتایا تو انہیں جان سے مار دیا جائے گا کیونکہ "ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں" وہ دو میل چل کر سڑک پر پہنچے اور بس میں سوار ہو سکے ۔ وہ اس سلسلے میں قانونی چارہ جوئی بھی کر رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہ پوری ذمہ داری سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میانوالی کے قریب کسی مقام پر (جہاں انہیں ۶۳ گھنٹے رکھ کر اذیتیں دی گئیں اور جھوٹا بیان دینے پر مجبور کیا گیا) ایک اذیتی کیمپ موجود ہے جہاں اذیت رسانی کے تمام آلات موجود ہیں۔ انہوں نے وہاں ساتھ کے کمروں سے دوسرے لوگوں کے کراہنے اور چیخنے کی آوازیں سنیں۔ اذیتی کیمپ کے سلسلہ میں تفتیش کے لئے ہائی کورٹ کے کسی جج کو مقرر کیا جائے، اذیتی کیمپ فوری طور پر ختم کیا جائے اور جڑانوالہ کے پولیس اہلکاروں کے خلاف جو اس اغوا میں ملوث ہیں، سخت کارروائی کی جائے۔

ابھی تک ان کے دوسرے ساتھیوں شفیق وزیری وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ ان لوگوں کے ساتھ یہ سلوک محض اس لئے کیا گیا کہ انتظامیہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس قسم کے ہتھکنڈوں سے شوگر ایمپلائز فیڈریشن کی جدوجہد کو ناکام بنا سکے گی لیکن ہماری جدوجہد کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ناکام نہیں بنایا جا سکتا اور یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مطالبات تسلیم نہیں کر لئے جاتے۔ جڑانوالہ میں بھوک ہڑتال و احتجاج کا سلسلہ رہے گا۔ اب تک کی بھوک ہڑتال میں ۳۰ کے قریب مزدور کارکن گرفتار کئے جا چکے ہیں اور پولیس نے تشدد کی انتہا کر دی ہے یہ جدوجہد مزدور طبقے کے حقوق کے حصول کیلئے ہے جس کا ملک کی کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں حکومت خواہ مخواہ اسے ایک پارٹی سے منسلک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ حالانکہ ہر دور میں اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ جس کی پاداش میں چشتیاں کے ۶۰ سے زائد مزدوروں اور شفیق وزیری چیف شوگر فیڈریشن کو برطرف کر دیا گیا تھا اور درجنوں مقدمات میں ملوث کیا گیا۔

انہوں نے چشتیاں شوگر ملز کے مالکان کے رویے

کا خاص طور پر ذکر کیا جنہوں نے ۷۰ مزدوروں کو جھوٹے الزامات عائد کر کے بغیر انکوائری کئے برطرف کر دیا ہے ان میں سے ۲۶ ورکر کو عدالت نے بحال کیا لیکن مالکان نے ان کو دوبارہ برطرف کر دیا ہے ۔ اسی طرح ۱۰ مزدوروں کو عدالت نے ماہ جنوری میں بحال کیا تھا لیکن تاحال ۶ ماہ کے باوجود ڈیوٹی پر نہیں لیا گیا ۔ اور اب پھر عدالت نے پندرہ دوسرے مزدوروں کو بحال کیا ہے

لیکن ابھی تک اُن کو ڈیوٹی پر نہ لے کر انتظامیہ کھلے بندوں قانون کا مذاق اڑا رہی ہے ۔ عدالتوں کے فیصلوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا رہی ہے ۔ اگر سرمایہ دار اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی یوں دھجیاں بکھیرنے پر اتر آئے ہیں ۔ اور عدالتوں کے فیصلوں کو یوں پائے حقارت سے ٹھکرانے پر تل گئے ہیں تو انہیں مزدوروں سے قانون کی پاسداری کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیئے

انہوں نے واضح کیا کہ اگر شوگر ملز چشتیاں کے بحال شدہ مزدوروں کو سات دن کے اندر اندر ڈیوٹی پر نہ لیا گیا تو فیڈریشن احتجاج کا سلسلہ پوری شوگر انڈسٹری تک پھیلا دے گی اور پنجاب کے مزدور اس جدوجہد میں شامل ہو جائیں گے ۔

■

خان پور

شعیب رضی

حمزہ سنز شوگر ملز خان پور کے کارکنوں کو سعید اور اسکے ٹولے سے نجات دلائی جائے

بچیاں مرتی رہتی ہیں

کوئی چھٹی نہیں مل سکتی

مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت ہے ، انتظامیہ نے انکوائری شروع کر دی

حمزہ سنز شوگر ملز جلیبھہ بھٹہ (خان پور) کا ۷۸ - ۱۹۷۷ء کا کرشنگ سیزن شروع ہوتے ہی یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے گنے کی کرشنگ کے ساتھ ہی مزدوروں کی عزت نفس کی کرشنگ بھی شروع ہو گئی ہو ۔ اچھے بھلے افسروں کے موڈ بدل گئے ۔ مزدور حیران تھے کہ افسروں کو یکایک کیا ہو گیا ہے ۔ نومبر، دسمبر کے مہینے جیسے تیسے گذر گئے ۔ ان ہفتوں میں ایمپلائیز یونین حمزہ سنز شوگر ملز کی جانب سے سول اور مارشل لاء حکام کے نام متعدد اپیلیں مختلف اخبارات میں بھی شائع ہوئیں کہ ملز انتظامیہ انتہائی اشتعال انگیز رویے پر اتر آئی ہے اس لئے حکام مداخلت کر کے ناانصافیوں کا ازالہ کریں ناجائز تقرریوں کی تحقیق کرائی جائے ۔ جائز ترقیوں میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی بھی تحقیق کرائی جائے ۔ نیز مزدوروں کی بے چینی کے دیگر اسباب بھی معلوم کر کے ان کا مناسب حل کیا جائے تاکہ ملز کا صنعتی امن خراب نہ ہو یہ اپیلیں اخبارات کے ریکارڈ میں موجود ہیں ۔

اسی دوران کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کا اندوہناک سانحہ ہو گیا ۔ اس سانحہ پر جہاں سارے ملک کے مزدور اور درد مندانِ وطن سراپا سوگ بن گئے ۔ وہاں سرمایہ داروں اور ان کے دلالوں کے گھر عید ہو گئی ۔ اب شوگر ملز کی انتظامیہ بالکل ننگی ہو کر سامنے آ گئی ۔ ایک مزدور کی بچی فوت ہو گئی اس نے چھٹی کی درخواست دی تو افسرِ اعلیٰ نے انتہائی ظالمانہ انداز میں یہ دلآزاد جملے کہتے ہوئے درخواست پھاڑ دی کہ "بچیاں مرتی رہتی ہیں ۔ کوئی چھٹی نہیں مل سکتی جاؤ جا کر کام کرو" اس وحشیانہ جملے میں کمینگی اور بربریت کے جو مفہوم بند ہیں وہ ہر صاحب اولاد محسوس کر سکتا ہے —— اسی طرح ایک مزدور جو دس سال قبل جب وہ میٹرک پاس تھا اور قلی بھرتی ہوا تھا اور اب ۱۵۰/- روپے کے گریڈ کا مزدور ہے ۔ اس کا ایک بہت بڑا کریڈٹ یہ ہے کہ اس نے ملازمت کے دوران ایم اے تک پرائیویٹ تعلیم حاصل کی ۔ ملز انتظامیہ کو اس کی مناسب حوصلہ افزائی کی توفیق تو نہ مل سکی ۔ البتہ صرف اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر "کالونی ٹیکسٹائل ملز کے المیے کا شکار ہونے والے شہیدوں کو سلام" لکھ دیا تھا ۔ جنرل منیجر محمد سعید نے بیلن اسٹیشن پر بلوایا ۔ ملز کے تمام اعلیٰ افسران اس کے ساتھ تھے ۔ وہاں اس نے اس مزدور کو بغیر کسی تمہید کے انتہائی غلیظ اور لچر گالیاں دیں ۔ اس مزدور کا کہنا ہے کہ اس کی زندگی میں کسی کمینے سے کمینے اور خبیث سے خبیث انسان نے بھی کبھی اسے اتنی لچر اور غلیظ گالیاں نہیں دیں جتنی جنرل منیجر سعید نے دیں —— یہ دو واقعات صرف "مشتے از خروارے" کے طور پر ہیں ۔

انہی دنوں چینی کی مقررہ پیداوار کے نتیجہ میں ایک "پروڈکشن بونس" کا حق بنتا ہے ، ملز انتظامیہ نے پہلے ایک آفس آرڈر جاری کیا جس میں بونس حسب سابق ۱۱۰ روپے مہنگائی الاؤنس دینے کا اعلان کیا گیا ۔ مگر پہلے سے طے شدہ شرارت کے مطابق ملز انتظامیہ نے بونس کی تقسیم سے صرف ایک رات پہلے دوسرا نوٹس لگا دیا کہ بونس میں ۱۱۰ روپے مہنگائی الاؤنس نہیں ملے گا جب کہ پچھلے سال بھی مہنگائی الاؤنس ملتا رہا تھا ۔ یہ نوٹس شدید بے چینی کا باعث بنا مگر ایمپلائیز یونین کے صدر رانا محمد حسین اور جنرل سکریٹری نذیر احمد نے مزدوروں کو پرامن رہنے کی تلقین کی ۔ اس کے بعد سول انتظامیہ کی مداخلت کے نتیجہ میں بعد از خرابیٔ بسیار ملز انتظامیہ نے مہنگائی الاؤنس دینا منظور کر لیا ۔

جنوری کے آخری ہفتے میں دوسرا بونس بھی تیار ہوگیا۔ مگر اس بار بھی مل انتظامیہ نے سازشیں اور شرارتیں شروع کردیں فروری کا سارا مہینہ گذر گیا۔ بالآخر مارچ کے پہلے ہفتے میں ایمپلائیز یونین کے صدر اور جنرل سیکرٹری ہیڈ آفس کراچی چلے گئے وہاں سے مالکان نے تحریری طور پر لکھ دیا کہ بونس میں ۱۱۰ روپے مہنگائی الاؤنس دے دیا جائے۔

اب مل انتظامیہ کے لئے انکار کی گنجائش نہ تھی جب مقصد مزدور دشمنی ہی ٹھہرا تو پھر لیت ولعل سے کون روک سکتا ہے۔ اسی دوران تیسرا بونس بھی تیار ہوگیا جب کہ دوسرے بونس کی ادائیگی تمام قانونی راستے اختیار کرنے کے باوجود نہ ہوسکی تھی۔ نومبر میں ہی مزدوروں کو وردیاں ملتی تھیں مگر نئے سال کا تیسرا مہینہ ہوگیا اور وردیوں کی بھی کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ ان ہی دنوں ایک افسر نذیر احمد چیف کیمسٹ نے گیٹ پر کچھ مزدوروں کو گالیاں دیں کہ کوئی بونس نہیں ملے گا کوئی وردی نہیں ملے گی۔ یہ مزدوروں کے ساتھ زیادتی کی انتہا تھی کہ ایک تو انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جا رہا تھا دوسرے انہیں کھلم کھلا گالیاں بھی دی جانے لگی تھیں۔ اس اشتعال انگیزی کے نتیجہ میں مل میں افسر اور مزدوروں کے تصادم کا ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوگیا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری مل انتظامیہ پر ہی تھی اور جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسی رات ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع رحیم یار خاں تصادم کے بنیادی سبب تک پہنچ گئے اور انہوں نے راتوں رات بونس کی ادائیگی کا آفس آرڈر بھی جاری کرایا اور وردیوں کی فوری فراہمی کا بندوبست بھی کرایا۔ اس جھگڑے کی آڑ میں مل انتظامیہ نے تیرہ مزدوروں کے خلاف پرچہ کرادیا۔ ایف آئی آر میں تیرہ مزدوروں کے نام تھے مگر بعد میں یونین کے صدر اور جنرل سیکرٹری کو بھی مقدمے میں ملوث کرادیا گیا جب کہ ایف آئی آر میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے دیگر دفعات کے علاوہ ۳۰۷ کی دفعہ بھی لگائی گئی اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آلات ضرب صرف گنے ہی لکھائے۔ اب اگر گنے اٹھا کر کوئی کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو یہ بات بجائے خود مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔

مل انتظامیہ کا خیال تھا کہ وہ جھوٹے مقدموں میں پھنسا کر ایمپلائز یونین کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے گی مگر ان کی یہ خواہش اور یہ خیال ناکامیوں اور نامرادیوں کے سمندر میں ڈوب گیا۔ مزدور پہلے سے زیادہ متحد ہوگئے یونین کے صدر اور جنرل سیکرٹری سمیت پندرہ جیالے اور مزدوروں کو چند دن جیل میں گذارنے پڑے مگر اس دوران پنجاب شوگر مل ایمپلائیز فیڈریشن کے چیف آرگنائزر شفیق وزیری خان پور پہنچ گئے۔ پھر تمام شوگر ملوں کے نمائندے بھی جمع ہوگئے کشیدگی بڑھ گئی۔ مزدوروں میں شدید غم و غصے کے آثار پائے جاتے تھے۔ تاہم جلد ہی تمام مزدوروں کی ضمانتیں ہوگئیں۔ مزدور رہا ہوئے تو مل کے سارے ساتھیوں میں نیا عزم اور حوصلہ پیدا ہوا۔ سرمایہ داروں کے دلالوں کے خلاف مزدور پہلے سے زیادہ متحد ہوگئے۔

جنرل منیجر محمد سعید کا اپنے افسران کا ایک خاص پینل ہے۔ جس میں کین منیجر عبدالغفور چیف کیمسٹ نذیر احمد اور رفعت شیرازی افسر تعلقات عامہ کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ انہیں یہاں "جڑانوالہ برانڈ افسر" بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ مسٹر سعید جڑانوالہ میں جنرل منیجر تھے تو یہ سارے وہیں تھے پھر جب وہ خان پور آئے تو کین منیجر اور چیف کیمسٹ کو بھی ساتھ لائے۔ رفعت شیرازی کو یہاں جگہ نہ مل سکی تو صادق آباد میں انہیں اٹکا دیا۔ اب اپنی سازشوں سے اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد رفعت شیرازی کو بھی یہاں بھاری تنخواہ پر افسر تعلقات عامہ مقرر کرادیا۔ اس سلسلہ میں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ جب سے فیکٹری کی بنیاد رکھی گئی تب سے اب تک اس عہدے کا کوئی افسر کبھی بھی یہاں نہیں رہا۔ رفعت شیرازی کی کارگزاری کے لحاظ سے اگر اسے "افسر غنڈہ گردی" کہا جاتے تو غلط نہیں ہوگا۔ چنانچہ موصوف کی تقرری کے چند دنوں بعد ہی یونین کے صدر رانا محمد حسین پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا جس میں مل انتظامیہ کے ٹاؤٹوں اور دلالوں نے مسٹر شیرازی کی زیر قیادت یہ بزدلانہ کارنامہ انجام دیا جس کے نتیجہ میں ان سب کو جیل کی ہوا کھانی پڑی، یوں اس نام نہاد افسر غنڈہ گردی کو اپنے پہلے معرکہ میں ہی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

مل انتظامیہ کو اس وقت بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا جب پندرہ گرفتار شدہ مزدور ضمانت پر رہا ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیشن کورٹ میں ضمانت کی منسوخی کی درخواست دے دی۔ مگر یہاں بھی انہیں ناکامی اور نامرادی کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ ان کی درخواست کا فیصلہ مزدوروں کے حق میں ہوا۔ ضمانتیں بحال رہیں۔

اسی دوران مل انتظامیہ نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مقامی سول کورٹ میں مقدمہ دائر کرایا کہ موجودہ قیادت کی آئینی حیثیت نہیں ہے اس لئے فنڈ منجمد کردیا جائے۔ مگر ان کی یہ درخواست بھی خارج ہوگئی۔ قصہ مختصر مل انتظامیہ مختلف اوچھے ہتھکنڈوں سے یونین کے خلاف جتنے بھی مقدمے کرا رہی ہے ان سب میں اسے ناکامی و نامرادی کا ہی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

مل انتظامیہ ہر مرحلے پر ناکامی کے باوجود انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ تاحال پندرہ مزدوروں کا (جن میں یونین کے صدر، جنرل سیکرٹری اور مجلس عاملہ کے اراکین بھی شامل ہیں) غیر قانونی طور پر گیٹ بند ہے انہیں گھر بیٹھے تنخواہ دی جا رہی ہے۔ اور ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزدوروں کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں نذیر احمد چیف کیمسٹ کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔

جھگڑے کا مقدمہ مقامی اے سی کی عدالت میں چل رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف مل کی انتظامیہ نے اپنی انکوائری بھی شروع کردی ہے۔ یعنی خود ہی مدعی اور خود ہی منصف۔ کسی نے خوب کہا ہے

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

ویسے ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا عدالت میں زیر سماعت مقدمے کی اپنے طور پر انکوائری کا یہ سلسلہ "توہین عدالت" کے ضمن میں نہیں آتا؟۔ اس سلسلہ میں ماہرین قانون سے مشورے کئے جا رہے ہیں اگر ایسا ہوا تو شاید مل انتظامیہ کو "توہین عدالت" کی سزا بھگتنی پڑے

مل میں جو کچھ بھی ہوا ہے اس کی تمام تر ذمہ داری مسٹر محمد سعید اور اس کے مخصوص گروپ کے افسران کے سر پر ہے۔ یہ ان کی سازشوں اور شرارتوں کا نتیجہ ہے ورنہ جب جناب عزیز حسین مل میں جنرل منیجر تھے تو کبھی ایسے حالات نہ ہوئے تھے۔ اگر خدانخواستہ یونین والے تشدد پسند ہوتے تو سابقہ حکومت کے دور میں اسے تمام تحفظات بھی حاصل تھے، مگر اس کے باوجود اس دور میں کسی ایسے ناخوشگوار واقعے کا نہ ہونا بجائے خود یونین کی قیادت کی امن پسندی کی زبردست دلیل ہے اس کے برعکس مارشل لاء کے سخت ترین دور میں جب کہ کالونی ٹیکسٹائل مل ملتان کا المناک سانحہ بھی تازہ تازہ ہی تھا کوئی مزدور خواہ مخواہ اتھا پائی کر کے کوڑے کھانے کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور اسی بنیاد پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ موجودہ مل انتظامیہ مل کے صنعتی امن کو تباہ کرنے کی ذمہ دار ہے۔

احسان ملک

دریائے ستلج حسینی والا کے مقام پر پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس دریا پر دو بند ہیڈ سلیمانکی اور ہیڈ اسلام ہیں۔ میدانی علاقہ ہونے کے سبب دریا سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا پنجند کے مقام پر باقی دریاؤں سے جا ملتا ہے۔ کچھ دُور چل کر یہ دریا قسمت بہاول پور اور قسمت ملتان کے درمیان قدرتی حد کا کام دیتا ہے۔ ہیڈ اسلام سے بیس تیس میل کے قریب، چوڑی ایک میدانی پٹی ہے جس کا نام وہاڑی ہے۔ یہ علاقہ نیلی بار کے قلب میں واقع ہے۔

نصف صدی قبل وہاڑی صرف چند کچے مکانوں پر مشتمل تھی۔ جسے وہڑی (لُڑکیاں والی) کہا جاتا تھا۔ دراصل وہڑی ایک خاندان کا نام ہے جو اس جنگلی علاقہ میں سات پشت سے آباد تھے۔ اب بھی اس خاندان کے چند گھر چک نمبر ۵۶ ڈبلیو بی اور چک نمبر ۶۳ ڈبلیو بی میں آباد ہیں۔ لُڑ کا قوم کے ایک معمّر شخص کالو نے جو زندگی کی ۸۵ بہاریں دیکھ چکا ہے۔ نمائندہ پہ بھات کو بتایا ہے کہ جہاں آج اسلامیہ ہائی سکول وہاڑی واقع ہے اس کی گراؤنڈ اور سرہند کاٹن فیکٹری کے عقب میں ایک کنواں ہے جو پرانے وقتوں میں ویڑی لُڑکیوں والا کہلاتا تھا۔ اس کنوئیں سے پندرہ پندرہ میل دور واقع دیہات کے لوگ پانی لے جایا کرتے تھے۔ اس دور میں علاقہ وہاڑی میں کوئی نہر نہیں تھی۔ آج یہاں وہاڑی کا بارونق شہر آباد ہے۔ یہاں پر بہت بڑی چراگاہ ہوا کرتی تھی اور یہاں درختوں کے گھنے جُھنڈ ہوا کرتے تھے۔ بارش ہو جاتی تو ہفتوں تک اس چراگاہ میں پانی کے جوہڑ بنے رہتے تھے۔ ہرن اس جنگل اور چراگاہ میں عام پائے جاتے تھے۔ اس دور کے چرواہے ان ہرنوں کو سینگوں سے پکڑ کر لے آیا کرتے تھے۔ لُڑ کا قوم کے بزرگ کالو نے بتایا کہ نشیبی علاقہ کو وہڑی کہتے ہیں۔ جہاں پانی جمع رہتا ہو۔ اس وجہ سے اسے وہڑی کہا جاتا تھا۔ ڈھلوان ہونے کی وجہ سے یہاں پر ہر وقت پانی جمع رہتا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ لفظ بگڑ کر وہاڑی بن گیا۔

شہر کے دامن میں موجودہ ریلوے لائن جو اب لودھراں سے پاک پٹن جاتی ہے۔ براستہ کرم پور رتہ ٹبہ اور قبولہ سے گذرتی تھی۔ ریلوے لائن کے ساتھ پختہ سڑک ۱۹۱۷ء میں لاہور سے ملتان تک براستہ وہاڑی کچی سڑک ہوا کرتی تھی۔ پاک پٹن کینال جو وہاڑی سے ۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۱۹۲۱ء میں تعمیر کی گئی تھی ۱۹۲۶ء میں لوگوں نے کچی بستیوں کو مسمار کر کے پکے مکان بنانا شروع کر دیئے۔ ۱۹۲۶ء میں ہی وہاڑی صحیح معنوں میں آباد ہوئی تھی۔ ۱۹۲۷ء میں ٹاؤن ہال اور ہسپتال تعمیر ہوئے ۱۹۲۸ء میں پولیس اسٹیشن قائم ہوا جو اُس وقت کچا تھا اور ۱۹۳۸ء میں پختہ تعمیر کیا گیا۔ جو اب تھانہ صدر ہے۔ ۱۹۲۶ء میں قصبہ وہاڑی آڑھت کی چند دکانوں اور چند گھروں پر مشتمل تھا۔ آج غلہ منڈی وہاڑی میں ۳۸۰ دکانیں اور بازار ۵۰۴ دکانیں ہیں۔ اس کے علاوہ شاہین مارکیٹ اور بلدیہ کی مارکیٹیں ہیں۔ طلبا اور طالبات سے لئے ۱۹۳۲ء میں مڈل سکول قائم ہوئے جن کو ۱۹۴۳ء میں ہائی اسکول کا درجہ دیا گیا۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء تک وہاڑی نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی رہی۔ جسے ۱۹۶۶ء میں میونسپلٹی کا درجہ دیا گیا وہاڑی کو ۱۹۶۲ء میں سب ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں اسلامیہ ہائی اسکول قائم ہوا۔ اب یہاں پر دو ہائی اسکول برائے طلبا اور ایک ہائی اسکول برائے طالبات اور ایک انٹر کالج برائے خواتین اور دوسرا گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے طلبا قائم ہیں۔

وہاڑی کو ضلع کا درجہ دینے کی سکیم ۱۹۳۵ء سے مختلف حکومتوں کے زیر غور رہی۔ لیکن اس کی افادیت پر کسی بھی حکومت نے توجہ نہ دی۔ یکم جولائی ۱۹۷۶ء کو ضلع کے قیام سے وہاڑی کے عوام کی ۴۰ سالہ جدوجہد کامیاب ہوگئی۔

کپاس اور گندم کی پیداوار کے انبار سے وہاڑی ملک کی زرعی تاریخ میں جیتا جاگتا اور قابلِ فخر علاقہ ہے اور اجناس کی منڈیوں میں شمار ہوتا ہے پاکستان اپنی برآمدات میں جن اشیاء سے زرِ مبادلہ کماتا ہے۔ ان میں کپاس کو اہم مقام حاصل ہے۔ وہاڑی کے علاقہ نیلی بار کو پیدا کرنے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زمین کی زرخیزی اور یہاں کے محنت کش کسانوں اور مزدوروں کی کوششوں اور سابق حکومت کی توجہ سے یہ نیا ضلع صوبہ کے کئی دیگر اضلاع سے سبقت لے گیا۔ وہاڑی سب ڈویژن میں ۷۴-۱۹۷۵ء کے سیزن میں ۵۴ کروڑ روپے کی کپاس پیدا ہوئی۔ جو کل پاکستان کی پیداوار کا آٹھواں حصہ ہے۔ ۷۵-۱۹۷۶ء میں فصل کی خرابی کی وجہ سے سب ڈویژن میں ۳۱ کروڑ روپے کی کپاس ہوئی۔ جب کہ اب کے سارے ضلع وہاڑی میں ۷۰ کروڑ روپے کی پیداوار ہوئی گندم ایک لاکھ ٹن پیدا ہوتی جس کی قیمت تقریباً ۴ کروڑ ۶۰ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔ یہ بات خاص طور پہ قابلِ ذکر ہے کہ سارے پنجاب میں روئی کی ۲۶ لاکھ گانٹھیں تیار ہوتی ہیں جب کہ ضلع وہاڑی سے تین لاکھ گانٹھیں روئی کی برآمد ہو جاتی ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک کی کپاس کی کل پیداوار کا آٹھواں حصہ ضلع وہاڑی سے حاصل ہوتا ہے۔

نئے ضلع وہاڑی کا رقبہ ۱۸۴۵ مربع میل ہے اور یہ ایک لاکھ گیارہ ہزار دس ایکڑ اراضی پر مشتمل ہے۔ وہاڑی ضلع کی آبادی ۱۲ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے تحصیل وہاڑی میں ۲۰۹ چک ہیں اور کل رقبہ ۵۱۵۱۱ ایکڑ ہے۔ تحصیل میلسی میں ۲۰۸ چک ہیں جب کہ کل رقبہ ۴۵۴۸۳ ایکڑ ہے۔ تحصیل ...گڑھ میں ۱۲۰ چک ہیں۔

ضلع وہاڑی میں ۹ تھانے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ تھانہ شہر وہاڑی۔ تھانہ صدر وہاڑی۔ تھانہ میلسی۔ تھانہ شہر بوریوالہ۔ تھانہ صدر بورے والا، تھانہ ساہوکا۔ تھانہ گگو۔ تھانہ لڈن۔ تھانہ مترو وہاڑی ضلع کی تین تحصیلیں۔ وہاڑی۔ بوریوالہ اور میلسی۔ ضلع بھر سے ۲ کروڑ روپے کے ریونیو محاصل وصول ہوتے ہیں کاٹن فیس۔ پراپرٹی ٹیکس۔ تفریحی ٹیکس۔ ایکسائز ڈیوٹی اور اس کے دوسرے محاصل سے بھی جو وافر آمدنی ہوگی۔ وہ کسی صورت میں بھی ضلع وہاڑی کو خود کفالت سے دور نہیں رکھ سکے گی۔

وہاڑی ضلع شرقاً غرباً ۰۰ میل لمبا اور شمالاً جنوباً ۴۰ میل چوڑا ہے۔ ضلع کا رقبہ اور آبادی پنجاب کے کئی اضلاع سے زیادہ ہے۔ ضلعی صدر مقام ریل اور ٹرک کے ذریعہ ملک کے تمام حصوں سے ملا ہوا ہے۔ پختہ سڑکوں کی لمبائی ۲۵۲ میل ہے۔ ریلوے لائن کی لمبائی ۷۱ میل۔ نہروں اور راجباہوں کی لمبائی ۸۳۴ میل ہے۔ ایک ٹیکسٹائل مل بوریوالہ میں قائم ہے۔ جس کا نام بوریوالہ ٹیکسٹائل ملز داؤد آباد بوریوالہ ہے ضلع بھر میں ۳۰ فلنگ فیکٹریاں۔ ۲۰ برف کے کارخانے اور ۴۰ آئل ایکسپیلر کام کر رہے ہیں۔ مختلف بینکوں کی ۸۲ شاخیں اور تین زونل آفس ہیں۔ ضلع میں ایک ڈگری کالج۔ تین انٹر کالج، ۲۳ ہائی سکول ہیں۔ جن میں طلبا اور طالبات زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ ۵ مڈل سکول۔ ۶۵ پرائمری سکول، ۱۱ ہسپتال۔ ۱۵ ڈسپنسریاں، ۸ ہسپتال برائے حیوانات، ۵ ٹیلی فون ایکسچینج۔ ۳ میونسپل کمیٹیاں۔ ۶ مارکیٹ کمیٹیاں اور ۷ غلہ منڈیاں شامل ہیں ضلع وہاڑی میں ۲۰ ۔ راشن ڈپو ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ وہاڑی سب ڈویژن میں ۴۱ شہری اور ۱۷۵ دیہاتی۔ بوریوالہ سب ڈویژن میں ۲۶ ڈپو شہری اور ۲۵۰ دیہاتی۔ میلسی سب ڈویژن میں ۔ شہری اور ۲۳۰ دیہاتی۔ ضلع وہاڑی میں گندم کی خرید کے ۱۸ مراکز ہیں جن کی تفصیل ذیل ہے وہاڑی۔ لڈن۔ بیپی بجیانوالہ۔ ٹھنگی۔ بوریوالہ۔ دیوان صاحب، چک نمبر ۷/۴، ماچھیانوالہ۔ گگو۔ شیخ فاضل۔ میلسی۔ دوکوٹہ۔ کرم پور۔ ٹبہ سلطان پور۔ گرھا مور۔ چلہ حیم۔

ضلع بھر میں چھ سینما ہیں۔ لیکن وہاڑی کا نادر سینما سب سے بہتر ہے جس کے مالک خان نادر خان ہیں وہاڑی ضلع معرض وجود میں آتے ہی یونین آف جرنلسٹس کی داغ بیل رکھی گئی جس کے صدر حسان ملک دمشرق، جنرل سکریٹری محمد حسین بھٹی دامروز، خزانچی محمد اشرف خان چنی (مساوات) مجلس عاملہ، چوہدری نسیم الحق (پاکستان ٹائمز) یاور حسین بھٹی، آفتاب محمد اقبال (مغربی پاکستان) ہیں۔

وہاڑی کے مردم خیز خطے نے ملکی سیاست میں ہمیشہ حصہ لیا۔ وہاڑی ضلع کی معروف شخصیات میں سے چند یہ ہیں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ لڈن۔ میاں ریاض احمد خاں دولتانہ سابق ایم این اے دلڈن، بیگم نادر خان خاکوانی پیپلز پارٹی شعبہ خواتین پنجاب کی صدر، میاں خورشید انور سابق ایم پی اے وہاڑی۔ خان نادر خاں وہاڑی، تاج محمد بھٹی ایڈووکیٹ وہاڑی سابق ایم پی اے، آغا سلیم خورشید سابق ایم این اے۔ ملک الله یار لنگڑیال سابق ایم پی اے بوریوالہ۔ دلاور خاں کچھی سابق ایم این اے میلسی۔ قاضی محمد اسمٰعیل سابق ایم پی اے میلسی۔ میاں محمد حمید نمبردار چک نمبر ۳، ۵ دوہاڑی) حال ڈویژنل انجینئر ٹیلی گراف لاہور۔ ۔ پیرزادہ مولوی اسلام الدین سابق ایم پی اے وہاڑی۔ چوہدری ظفر علی ایڈووکیٹ وہاڑی۔ شیخ غلام حسین صدر انجمن اتحاد القریش رجسٹرڈ بوریوالہ۔ خان سعید احمد خاں ٹبہ سلطان پور۔ خان ارشاد احمد خاں سابق ایم این اے ملک خان محمد کھوکھر گرھا مور سابق ایم پی اے۔ خان خورشید احمد خاں لیزن آفیسر بوریوالہ ملز۔ چوہدری محمد اسحٰق تارڑ۔ جنرل سکریٹری ضلع مسلم لیگ وہاڑی۔ چوہدری نثار احمد ایڈووکیٹ بوریوالہ سابق ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ بوریوالہ۔ چوہدری محمد صفدر صدر جنرل مرچنٹس وہاڑی۔ شیخ عزیز الرحمٰن وہاڑی۔

وہاڑی ضلع کے اگر تین نامور سپوتوں کا ذکر نہ کیا جائے تو زیادتی ہوگی۔ جنہوں نے ملک کی خاطر جام شہادت نوش کیا۔ میجر محمد طفیل شہید نشان حیدر چک نمبر ۲۵۱ تھانہ گگو ای بی ضلع وہاڑی میجر تیمور اے شیخ شہید ستارۂ جرأت بوریوالہ ضلع وہاڑی۔ کیپٹن ظفر اقبال شہید چک نمبر ۳۱ ۵ ڈبلیو بی تھانہ وہاڑی جن کے نام پر وہاڑی سے چار میل لودھراں سیکشن پر ریلوے اسٹیشن قائم ہے

ضلع وہاڑی میں موسم گرما میں سخت گرمی پڑتی ہے لیکن راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ بارش اوسطاً ۷" سالانہ ہے۔ سردیوں میں موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے اس علاقے کے لوگ محنتی جفاکش ہیں۔

ساڑھے چھ لاکھ کاریگر انجنیئر اور ڈاکٹر باہر جا چکے ہیں

بہتر یہی ہے کہ اقتدار عوام کو منتقل کر دیا جائے

٫٫ ارب روپے غیر ملکی قرضہ کے باوجود ملک کی آدھی صنعت بند

ہم انقلاب افغانستان کا خیر مقدم کرتے ہیں

سی آر اسلم

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے صدر جناب سی آر اسلم نے ۲/اگست ۱۹۷۸ء کو صبح ۱۱ بجے لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ کانفرنس میں پڑھا جانے والا بیان ہمیں ڈاک سے موصول ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس بیان کے ضروری اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

دنیا کے تمام سرمایہ دار ممالک پچھلے دس سالوں سے ایک نہ ختم ہونے والے معاشی بحران میں مبتلا ہیں اس معاشی بحران نے ان ملکوں میں سیاسی اور اخلاقی بحران کو جنم دیا ہے اور جھوٹ، فریب اور منافقت زندگی کا جز بن گئی ہے۔

پاکستان کے ناعاقبت اندیش عوام دشمن اور کم عقل حکمرانوں نے جو بالائی طبقوں یعنی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے طبقات سے تعلق رکھتے رہیں اور ان ہی طبقات کے خدمت گذار ہیں پچھلے تیس سالوں سے ہمارے وطن کو مغربی طاقتوں سے نتھی کر رکھا ہے اور ملک کے اندر قائم فرسودہ معاشی نظام کو جو جاگیرداری اور سرمایہ داری سے عبارت ہے برقرار رکھا ہے۔ ان تیس برسوں میں پاکستان کے حکمرانوں نے سامراجی آقاؤں سے ملنے والی امداد اور قرضوں کی بیساکھیوں کے سہارے اس فرسودہ نظام کو کسی نہ کسی طرح چلایا ہے۔ اس پورے دور میں پاکستان کے محنت کش عوام کی مصیبتوں میں بتدریج اضافہ ہوا ہے اور ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ اب ہمارے معاشرے میں گندگی اور تعفن اس حد تک پھیل گیا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ اقرار کرنا پڑ رہا ہے کہ پاکستان گہرے معاشی بحران کا شکار ہے۔ اس کی معیشت پر ٫٫ ارب روپے غیر ملکی قرضہ ہے۔ ملک کی آدھی صنعت بند پڑی ہے۔ زرعی پیداوار بڑھنے کی بجائے گھٹ رہی ہے۔ بیروزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ روزگار کے مواقع اس قدر سکڑ گئے ہیں کہ ساڑھے چھ لاکھ نوجوان کاریگر، انجنیئر اور ڈاکٹر روزگار حاصل کرنے کے لئے ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ اور برابر جا رہے ہیں۔ تعلیم بڑھنے کی بجائے گھٹ گئی ہے۔ اس کا معیار پست ہو گیا ہے۔ علاج کی سہولتیں مفقود ہیں، ادویات میں آمیزش عام ہے۔ رہائش کا برا حال ہے ہر شہر میں بیسیوں کچی آبادیاں موجود ہیں۔ کرپشن اور رشوت زندگی کا معمول بن گئی ہے عوام کو نیم فاقہ کشی کے معیار پر زندہ رکھنے کیلئے ہر سال لاکھوں ٹن اناج اور خوردنی تیل باہر سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ ملک میں استحصالی حالت کو برقرار رکھنے کے لئے جبر و تشدد، منافقت اور جھوٹ کا بے دریغ استعمال کیا جا رہا ہے۔

اس تمام صورتِ حال کی ذمہ داری ہمارے ملک کی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ جن میں سیاسی پارٹیوں کی حکومتیں۔ نوکر شاہی اور مارشل لاء کی حکومتیں شامل رہیں۔

ہم واضح طور پر اور علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا موجود، معاشی، سیاسی، قومی اور اخلاقی بحران اسوقت تک حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک پاکستان کے موجودہ معاشی اور سماجی نظام میں بنیادی تبدیلیاں نہیں کی جائیں اور انگریز سامراج کا قائم کیا ہوا فیوڈل نظام اور اپنے رجعتی حکمرانوں کا پالا ہوا سرمایہ داری نظام جڑ سے اکھاڑ کر نہیں پھینک دیا جاتا۔ کیا پاکستان کی موجودہ سیاسی پارٹیاں جو پی این اے میں شامل رہیں یا اس سے باہر ہیں یا پاکستان پیپلز پارٹی ہے پاکستان کے ان مسائل سے نمٹ سکتی ہیں۔ ہم پاکستان کے عوام پر اس حقیقت کو بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ پی پی پی سے لے کر تحریک استقلال اور پی این اے کی پارٹیوں تک کوئی پارٹی بھی پاکستان کے فرسودہ جاگیرداری اور گماشتہ سرمایہ داری نظام کو ڈھانے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ تو اس نظام کی خدمت گذار ہیں۔

اب ملک کے سامنے نجات کا صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ پاکستان کے محنت کش عوام کی نمائندہ حکومت قائم ہو اور ریاستی اقتدار مزدوروں، کسانوں اور نچلے و درمیانہ طبقہ کے محب وطن اور ترقی پسند عوام کی نمائندہ سیاسی پارٹی کے ہاتھ میں ہو۔ تاکہ اقتدار کو ہاتھ میں لے کر ملک کے موجودہ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔

پاکستان کے محنت کشوں کی طرف سے ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے محنت کشوں کا ریاستی اقتدار سارے سامراجی قرضے اور غیر ملکی سرمایہ ضبط کرے گا اور تمام ملکیتی اراضی قومی ملکیت میں لے کر گذارہ یونٹ کی بنیاد پر ہاریوں اور مزارعوں، کھیت مزدوروں اور چھوٹے کسانوں میں مفت تقسیم کرے گا۔ اور کسانوں کی مرضی سے ان کو

باقی صفحہ ۴۶ پر

نذرِ منہاج برنا

عابد زیدی

ذرّہ ہائے تیرہ کو لوئے تاباں کیوں کہیں
پتھروں کو جوہری لعلِ بدخشاں کیوں کہیں

جب چمن کی ہر روش پر خاک اڑتی ہو تو پھر
خار کو گل برگِ سوزاں کو گلستاں کیوں کہیں

ایک زاغِ بدنوا کو خوشنوابانِ چمن
طوطیِ شکّر مقالِ گلعذاراں کیوں کہیں

کیوں نہ پھینکیں نوچ کر انکی نقابیں زیرِ پا
زشت رویانِ چمن کو ماہِ کنعاں کیوں کہیں

جس کے بامِ فکر پر ہو آشیانہ بوم کا
اہلِ دانش پھر اسے دانائے دوراں کیوں کہیں

جس کا نشتر قوم کی شہ رگ میں ہو پیوست اسے
اہلِ دل اہلِ نظر عیسائے دوراں کیوں کہیں

جب خرِ عیسیٰ چلا آئے کتابیں لاد کر
لوگ اسے مفتیِ عصر و شیخِ دوراں کیوں کہیں

مخبرانِ ہرزہ گو پر شاہ کو ہے اعتبار
پھر یہ حضرت اہلِ حق کو حق بداماں کیوں کہیں

بھیس میں تیتر کے کبوتر کے ہیں مسجد میں تمام
اب اسے دارالامان اے یارِ یاراں کیوں کہیں

قطع کر ڈالا گیا نوشیروانی باغِ داد!
شاہ کو اب حامیِ انصاف و ایماں کیوں کہیں

دینِ مُلّا جب بقول اقبال ٹھہرا ہو فساد
پھر کسی ملّا کے دیں کو اصل ایماں کیوں کہیں

زشت کاری کو بھلا کارِ حسیں سمجھیں تو کیوں
عابد تیرہ عمل کو نیک انساں کیوں کہیں

جن کے ہاتھوں خانہ بربادی کے ساماں ہوئے
ہم انہیں ٹوٹے ہوئے گھر کا نگہباں کیوں کہیں

جوہر میر
(کراچی جیل سے)

ایک دن آئے گا

جب مرا ہاتھ تیرے گریبان تک آئے گا
روشنی کے تعاقب سے بچ کے کہاں جائے گا
ایک دن آئے گا
میری کوتاہ دستی پہ تیرے تمسخر کا بہتان تھا
مدتوں میرے ہاتھوں میں میرا گریبان تھا
میں یہ سمجھا کہ یہ بھی خدا ہی کا فرمان تھا
اب مگر مہرِ امروز کو کیسے جھٹلائے گا
ایک دن آئے گا
جب مرا ہاتھ تیرے گریبان تک آئے گا

اے کہ تو ظلمتِ شب کا پروردہ ہے
تیرگی تیرا ملبوس ہے، پردہ ہے
ہر چراغ ہر دیا تیرا گل کردہ ہے
قرض آنکھوں کے کب تک نہ لوٹائے گا
ایک دن آئے گا
جب مرا ہاتھ تیرے گریبان تک آئے گا

جرمِ تخلیق سے ہجرِ جنت کے احسان تک
قتلِ ہابیل سے گنجِ شہرِ شہیدانِ ملتان تک
پہلے مظلوم سے آخری جاں بلب نسلِ انسان تک
تو مجھے جاں بکف برسرِ کربلا پائے گا
ایک دن آئے گا
جب مرا ہاتھ تیرے گریبان تک آئے گا
روشنی کے تعاقب سے بچ کے کہاں جائے گا
ایک دن آئے گا (نامکمل)

بقیہ: سی آر اسلم
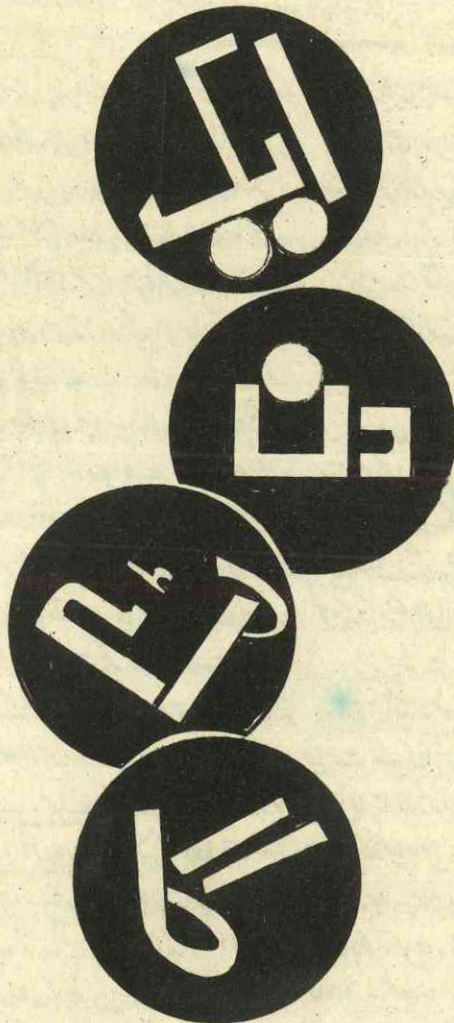
کو آپریٹو فارموں میں منظم کرے گا اور مشینی کاشت کو فروغ دے گا۔ اجارہ دار سرمایہ داری کو قومی ملکیت میں لے کر صنعتی اداروں کو مزدوروں کی نگرانی میں چلانے کا بندوبست کرے گا۔ ساری درآمدی اور برآمدی تجارت کو قومی ملکیت میں لے کر سوشلسٹ ممالک سے تجارت کو فروغ دے گا۔ سوشلسٹ ملکوں کے تعاون سے بنیادی اور بھاری صنعتیں قائم کرے گا۔ پچھلے تیس سالوں میں مختلف حکومتوں نے تحریر، تقریر، انجمن سازی اور اجتماع کی آزادیوں پر جو پابندیاں لگا رکھی ہیں وہ یک قلم ختم کر دے گا۔ تمام کالے اور متشدد قوانین کو منسوخ کر دے گا۔ صحافت اور آزادیٔ رائے کی مکمل آزادی دے گا۔ مزدوروں کے تمام حقوق بشمول حقِ ہڑتال بحال کرے گا۔ تمام آبادی کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرے گا۔ علاج معالجے اور رہائش کی سہولتیں فراہم کرے گا اور دس سال کے مختصر میں ملک سے بیروزگاری۔ غربت۔ جہالت، بے تعلیمی، بے گھری اور مہنگائی کا مکمل خاتمہ کر دے گا۔

پاکستان میں بسنے والے تمام لوگوں اور قومیتوں کو مساوی اور برابر حقوق دیئے جائیں گے۔ اور ہر شخص کو اس کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے گی۔ اور تمام زبانوں کی ترقی اور ترویج کا خاطر خواہ بندوبست کیا جائے گا۔ ہر زبان کے ادب کلچر اور آرٹ کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ہم اپنی دھرتی کے وطن دوست، جمہوریت پسند اور انقلاب کے حامی سپوتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ محنت کش عوام کا ساتھ دیں ان میں طبقاتی تمیز اور سیاسی شعور پیدا کریں۔ ان کو بورژوا پارٹیوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی سے آزاد کرائیں تاکہ انتقال اقتدار مزدور طبقے کو کیا جا سکے۔ جو اس کے حقیقی حقدار ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ملک میں محب وطن اور عوام دوست عناصر ہر سطح پر اور ہر جگہ موجود ہیں جو مادرِ وطن اور اس میں بسنے والے عوام کو موجودہ عذاب سے نجات دلانے کے متمنی ہیں۔ ہم ان سب سے پر زور اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ اس عظیم مقصد میں یعنی مزدور کسان راج اور سوشلزم کے قیام میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا ہی ساتھ دیں۔

ہمارا پڑوسی ملک افغانستان معاشی، سیاسی، اور ثقافتی اعتبار سے بے حد پست تھا۔ ۲۷ اپریل سے وہاں ایک نئی انقلابی حکومت جو مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، دانشوروں اور دوسرے محب وطن عناصر کی نمائندہ ہے برسر اقتدار آگئی ہے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں ایک حسین معاشرے کی تعمیر میں عوام کے تعاون سے صرف کر رہی ہے۔ پاکستان کے محنت کش عوام نے اس تبدیلی کا خوش دلی اور گرم جوشی سے خیر مقدم کیا ہے۔ ہم افغانستان کے اس عوامی انقلاب کی حمایت کرتے ہیں۔ اور ان تمام عناصر کی مذمت کرتے ہیں جو عوام کے اس جمہوری انقلاب کے خلاف سامراجیوں کے اشارے پر جھوٹا اور بیہودہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ ہم اس مذموم پراپیگنڈے اور دروغ گوئی کی مذمت کرتے ہیں۔ ہم اس خواہش کا اعلان کرتے ہیں کہ افغانستان کا انقلاب پھلے پھولے اور پاکستان اور افغانستان کے عوام کے مراسم اور تعلقات مزید خوشگوار ہوں ■

اسکندر، ایوب، یحییٰ عوامی جذبے کے ریلے میں بہہ گئے

اکرام رندھاوا

صدر انجمن اتحاد طلبہ، پاکستان

گزشتہ دنوں میں پاکستان اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری ملک بشیر بھٹہ سے ملنے راولپنڈی جیل میں گیا۔ انہیں ۱۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کو لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں بیگم نصرت بھٹو کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کے دوران گرفتار کیا گیا تھا۔ سمری ملٹری کورٹ سے انہیں ایک سال قید اور دس کوڑوں کی سزا سنائی گئی تھی۔ انہیں کوڑے لگا دیئے گئے اور ان دنوں وہ ٹانگوں کے شدید درد میں مبتلا ہیں۔ میو ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ ان کے حوصلے بہت بلند ہیں اور انہوں نے اپنی موجودہ حالت میں بھی قائد عوام کے لئے خون دینے کی پیش کش کی ہے۔

مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان کی بہن کینسر کے مرض میں مبتلا ہے اور اس کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق بشیر بھٹہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا ــــ "میری بہن موت کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ میں نے حکومتِ پنجاب کے ہوم سکریٹری اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو بارہا درخواستیں دیں کہ مجھے بہن سے ملنے کی اجازت دی جائے لیکن میری ایک نہ سنی گئی لیکن میں قائد عوام کا سپاہی ہوں اور انہیں کال کوٹھری میں دیکھتا ہوں تو اپنا دکھ بھول جاتا ہوں"۔

بشیر بھٹہ ۷۰-۱۹۶۹ء میں اسلامیہ کالج ملتان میں طلبہ کی یونین کے صدر تھے۔ ایوب شاہی کے خلاف عوامی تحریک کے دوران انہیں شہر بدر کر دیا گیا اور وہ ایم اے او کالج لاہور میں داخلہ لے کر طلبہ کی یونین کے جنرل سکریٹری منتخب ہو گئے۔ انہیں ایک عمدہ مقرر ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے اور انہوں نے مختلف شہروں میں تقریریں کر کے ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک ۱۸ ٹرافیاں، ۱۰ گولڈ میڈل اور ۴ طلائی تمغے حاصل کئے وہ طلبہ میں ان تھک کام کرتے رہے جس کے نتیجے میں پنجاب بھر کے نوّے فیصد کالجوں میں ترقی پسند طلبہ یونینوں کے انتخابات میں کامیاب ہو گئے۔

انہوں نے جیل میں آنے کے بعد طلبہ کے نام ایک پیغام میں کہا تھا کہ "میں آنے والی صبح کا انتظار کر رہا ہوں جو پاکستان کے غریب عوام اور طلبہ کے لئے خوشی کا پیغام لائے گی۔ تم ملک میں جمہوریت کی بقا کے لئے کام کرو کیونکہ طلبا نے ہر دور میں قربانیاں دی ہیں"۔

بشیر بھٹہ سے ملاقات کرنے کے بعد میرے دل و دماغ میں ایک طوفان کروٹیں لے رہا ہے۔ میں اس بدقسمت ملک کی خوش نصیب مارشل لاء حکومت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آج پاکستان میں طلبہ کے حقوق کا اسی طرح تحفظ کیا جا رہا ہے کہ ان کی ننگی پیٹھوں پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں۔ انہیں جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے ذلیل و خوار کیا جا رہا ہے۔ اسکندر مرزا نہ رہا، ایوب خان نہ رہا، یحییٰ خان نہ رہا۔ ان لوگوں نے بھی جمہوریت کا گلا دبانے کی بے حد کوشش کی تھی لیکن عوامی جذبے کے ریلے میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ طلبہ کی کوئی انقلابی تنظیم موجودہ حکومت کا ساتھ نہ دے گی۔ جماعت اسلامی کی بغل بچہ، اسلامی جمعیت طلبہ کو طلبہ نے تعلیمی اداروں سے نکال باہر کیا ہے۔

بنک ملازمین سے بھی مذاکرات کرنے سے انکار

موجودہ حکومت کی لیبر پالیسی کے خالق کیا چاہتے ہیں

—— نمائندہ پرچھائیں ——

یوں تو بنک ملازمین نے سابق حکومت کے دور سے ہی اپنے سارے مطالبات پورے نہ ہونے کی شکایت کی تھی لیکن مارشل لار کے بعد حکومت کے ایک انصاف پر مبنی اسلامی معاشرے کے قیام کے دعوؤں کے باوجود ان کے رہے سہے حقوق بھی غصب کر لئے گئے۔ چنانچہ بنک ملازمین نے اسلامی قدروں کی دعویدار حکومت کے سامنے اپنے ۲۰ نکاتی مطالبات پیش کئے جنہیں وہ مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعے منوانا چاہتے تھے۔ اس اعتبار سے بنک ملازمین کی جدوجہد نہ صرف جائز اور انصاف کے تقاضوں پر مبنی تھی بلکہ خود حکومت کے حق میں بھی بہتر تھی کہ انہوں نے حکومت کو مذاکرات کی پیش کش کی اور قانون شکنی کا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا لیکن مارشل لار حکومت میں شامل افراد نے ان کی پیشکش کو منظور نہ کرتے ہوئے حالات کو خود بگاڑا تاکہ اس بہانے محنت کشوں کی ہر تحریک کو کچلنے اور ملک میں سامراجیت کا حاشیہ بردار سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

بنک ملازمین کا بنیادی مطالبہ حالیہ ویج بورڈ ایوارڈ کے سلسلے میں ہے جیسا کہ مسلم کمرشل بنک ایمپلائیز یونین کے آفس سکریٹری جناب ریاض احمد خاں نے اپنی ۱۲ر اگست کی تقریر میں کہا تھا کہ ویج بورڈ ایوارڈ کی رپورٹ ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہے اور یکطرفہ طور پر نافذ کی گئی ہے۔ بنک ملازمین اس رپورٹ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ جناب ریاض احمد خاں نے ایک بات بہت درست کہی تھی کہ حکومت اپنی بات دل سے منوانے کی بجائے کوڑوں اور جیلوں کی دھونس سے اپنا فیصلہ لوگوں پر ٹھونسنا چاہتی ہے۔ ان کی یہ بات ہر طبقے کے محنت کشوں کے معاملے میں صادق آتی ہے جس کی عملی صورت صحافیوں کی حالیہ گرفتاریوں اور ان کے پر جبر تشدد بھی ہے۔

بنک ملازمین نے حکومت کے سامنے اپنے جو ۲۰ نکاتی مطالبات پیش کئے ہیں ان میں چیدہ چیدہ مطالبات یہ ہیں۔ حالیہ ویج بورڈ ایوارڈ میں ترمیم حق اجتماعی سودے کاری کی بحالی، مہنگائی کے تناسب سے تنخواہوں میں اضافہ، چوکیداروں کے اوقات کار میں کمی اور مکمل و غیر مشروط طبی سہولتوں کی بحالی ہے۔

بنک ملازمین اور مالیاتی اداروں کے ملازمین کے نمائندوں کے بقول حکومت نے ان کے مطالبات پر کان نہ دھرے اور ان کی مذاکرات کی پیش کش کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ چنانچہ انہیں عملی قدم اٹھانے کے سوا چارہ نظر نہ آیا اور کراچی میں ۵ر اگست کو آل بنکس اینڈ فنانشل انسٹی ٹیوشنز ایمپلائیز سنٹرل ایکشن کمیٹی تشکیل دی گئی ملک بھر سے بنک ملازمین کے بارہ رہنماؤں کو کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔ عبداللہ بٹ چیئرمین اور پاکستان بنک ایمپلائیز فیڈریشن کے سیکریٹری جنرل حبیب الدین جنیدی سینئر وائس چیئرمین منتخب کئے گئے۔

جناب حبیب الدین جنیدی نے لاہور میں بنکوں اور مالیاتی اداروں کی ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز کے قومی سطح کے اجلاس میں شرکت کے بعد کراچی واپسی پر ۶ر اگست کو احتجاجی پروگرام کو آخری شکل دی۔ چنانچہ سب سے بڑا احتجاجی جلسہ حبیب اسکوائر میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام اہم شہروں میں بنکوں کے مرکزی دفاتر اور اہم برانچوں پر سیاہ بینر لگائے جائیں گے اور بنک ملازمین دو روز تک اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹی باندھیں گے۔

اسی روز دوسرا بڑا جلسہ مسلم کمرشل بنک کے ہیڈ آفس میں ہوا جہاں اسی قسم کے فیصلے کئے گئے لیکن ہر دو جلسوں میں حکومت سے تصادم کی کوئی بات نہیں کی گئی اور اسی بات پر زور دیا گیا کہ مذاکرات کے ذریعے بنک ملازمین کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ اسی قسم کی بات اسٹیٹ بنک آف پاکستان ایمپلائیز یونین (کراچی) کی مجلس عمل کے صدر جناب عثمان کانڈا والا نے بنک ملازمین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہی اور سامراجی ایجنٹوں کے اس الزام کی تردید کی کہ بنک ملازمین انتشار پسند اور ایک سیاسی پارٹی کے آلہ کار ہیں جناب کانڈا والا نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ ہم پر یہ الزام قطعاً غلط ہے، ہم کسی پارٹی کے ایجنٹ، انتشار پسند اور مفاد پرست نہیں ہیں البتہ مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے ایجنٹ ضرور ہیں۔

مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں کے مرکزی دفاتر اور اہم برانچوں پر ۹ر اگست کو سیاہ احتجاجی بینر لگا دیئے گئے جن پر بنک ملازمین کے بارہ نکاتی مطالبات پر مبنی نعرے درج تھے۔ فیصلے کے مطابق بنک ملازمین نے اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹی بھی باندھی اس سلسلے میں نیشنل بنک ہیڈ آفس کراچی میں مرکزی مجلس عمل ہدایات پر نیشنل بنک ایمپلائیز فرنٹ کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس میں بنک ملازمین کے رہنماؤں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ مذاکرات کا راستہ کھول دے اور حالات کو بگڑنے سے بچائے۔ ان احتجاجی جلسوں سے حکومت خصوصاً وزارت خزانہ کے اہل اختیار کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی چنانچہ ۱۰ر اگست کو ایک جلسۂ عام میں مرکزی مجلس عمل کے سینئر وائس چیئرمین جناب حبیب الدین جنیدی نے وفاقی حکومت کو ۴۸ گھنٹوں کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس عرصے میں ۲۰ نکاتی مطالبات پر مذاکرات شروع نہ ہوئے تو ۱۳ر اگست اور ۱۵ر اگست کو تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں میں صبح ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک ایک گھنٹے کی علامتی ہڑتال کی جائے گی۔

جناب حبیب الدین جنیدی نے پھر یہی کہا کہ ہم حکومت سے تصادم نہیں چاہتے لیکن ہمارے صبر کی انتہا ہو گئی ہے۔ ایوارڈ شائع ہوئے دو ہفتے ہو گئے لیکن حکومت نے صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لئے کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا ہے۔ انہوں نے پھر مذاکرات پر زور دیا کہ ان ہی کے ذریعے حالات قابو میں لائے جا سکتے ہیں ورنہ بصورت دیگر بنک ملازمین اپنے حقوق کے لئے آخری لڑائی لڑنے اور ہر قسم کی قربانیاں دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

اسی دن پشاور میں آل بنک ایمپلائز فیڈریشن صوبہ سرحد کے صدر اورنگ زیب اور جنرل سکریٹری سجاد لطیف نے ان ہی خطوط پر حکومت کی توجہ اپنے مطالبات پر مبذول کرانے کی کوشش کی اور کہا کہ ویج بورڈ کمیشن کے ارکان نے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر ۸۰ ہزار ملازمین کی قسمت کے فیصلے کئے ہیں اور ان کے مفادات کو کچل دیا ہے اعلیٰ افسروں کو طبی سہولتیں لامحدود ہیں لیکن تیسرے اور چوتھے درجے کے ملازمین کے لئے حد مقرر کی گئی ہے جو سراسر ناانصافی کی منہ بولتی تصویر ہے بنک ملازمین کے ان تمام پُرامن اقدامات کا کوئی

(باقی صفحہ ۵ پر)

جاوید ہاشمی کی چھٹی کرو

طلبہ مجلس عمل کا مطالبہ

طلبہ مجلس عمل کی لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں کہا گیا ہے کہ حکومت ایک طرف تو عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہی ہے اور دوسری طرف طلبہ کو بے پناہ مقدمات میں ملوث کر کے گرفتار کیا جا رہا ہے، حال ہی میں طلبہ مجلسِ عمل کی طرف سے بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن، سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اعزاز میں استقبالیہ دینے پر اسکے رہنماؤں کے خلاف مارشل لاء کے تحت مقدمات درج کر لئے گئے تنظیم کے نائب صدر اور انقلابی محاذِ طلبہ پنجاب یونیورسٹی کے کنوینر محفوظ ملک کو شکر گڑھ میں کمرۂ امتحان سے گرفتار کر لیا گیا اور ان کے گھر والوں کو تنگ کیا گیا۔ طالب علم رہنما غلام عباس کے والد اور بھائی کو پولیس نے حبس بے جا میں رکھا ہے اور ان پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ طلبہ مجلس عمل اور این ایس ایف پنجاب کے صدر سیف اللہ سیف اور انقلابی محاذِ طلبہ پنجاب کے کنوینر تقی بابر پر مارشل لاء کی دفعہ ۱۳ کے تحت مقدمات قائم کئے گئے ہیں۔ ان کے گھروں پر چھاپے مارے جا رہے ہیں اور گھر والوں کے علاوہ رشتہ داروں کو بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔

پریس کانفرنس میں کہا گیا کہ جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کو جو پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں میں پے در پے شکست کھا رہی ہے، سہارا دینے کے لئے طالب علم رہنما برکات شہید کے مبینہ قاتل جاوید ہاشمی کو طلبہ کے امور کا وزیر مملکت بنا دیا گیا۔ حکومت سرمایہ داروں کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کر رہی ہے اور محنت کشوں کی تحریک کو دبانے کے لئے گرفتاریاں، تشدد، ملازمتوں سے برطرفی اور بے دخلی روزمرہ کے واقعات ہیں، راولپنڈی میں مہنگائی اور بے روزگاری کے خلاف مزدوروں کے احتجاجی جلوس پر پولیس نے شدید لاٹھی چارج کیا اور ۲۵ مزدوروں کو گرفتار کر لیا۔ انار کلی لاہور میں خوانچہ فروشوں کو روزگار سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جڑانوالہ میں شوگر مل کے مزدور رہنماؤں شفیق وزیری، شوکت نیازی اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ شیخوپورہ میں چودھریوں نے پولیس کے ساتھ مل کر کسانوں پر حملہ کر دیا اور کئی کسان زخمی ہو گئے۔

سیّد مُطلبی فرید آبادی کی یاد میں تعزیتی اجلاس

برصغیر میں جن حریت پسندوں نے قرطاس وقلم کے ذریعے جذبۂ آزادی کا عوامی سطح پر اظہار کیا ہے اور سامراجیت کے خلاف مسلسل جدوجہد کی ہے، ان میں سید مطلبی فرید آبادی مرحوم ایک انفرادی مقام رکھتے تھے۔ سیاسی آزادی اور معاشی انقلاب تک پہنچنے کے لئے چند اصولی راستے متعین ہیں، کچھ نظریاتی قدریں کی راہیں ہیں لیکن اکثر لوگ اس منزل پر پہنچنے کے لئے اپنی پسندیدہ شاہراہیں منتخب کرتے ہیں، وہ دوسروں کے ہمقدم نہیں ہوتے اور اپنی سوچ، اپنے نقطۂ نظر سے محوسفر ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے انداز فکر اور طرز خرام سے اختلاف رائے تو ہو سکتا ہے لیکن ان کے آدرش کو پانے کی تمنا پر انگشت نمائی مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

اس اعتبار سے برصغیر اور پھر پاکستان اور بھارت یا دنیا کے کسی حصے میں بھی جس فرد نے بھی معاشی انقلاب برپا کرنے، سامراجیت سے ٹکر لینے، طبقاتی اونچ نیچ اور جاگیردارانہ استحصال کا قلع قمع کرنے اور انسانی حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد میں خواہ کسی طور حصہ لیا ہے، اسے حریت پسندوں اور انقلابیوں کے زمرے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ان افراد میں سید مطلبی فرید آبادی بھی شامل ہیں۔ مرحوم کے ان ہی اوصاف کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے سوشلسٹ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن بلوچستان نے ۲۳ جولائی ۸۰ء کو ایک ہنگامی تعزیتی اجلاس کیا جس کی صدارت تنظیم کے جنرل سیکریٹری جناب شاہ محمد مری نے کی، اجلاس میں مرحوم کسان رہنما کی اسی سالہ خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا گیا جو انہوں نے کسانوں کی خوشحالی اور ملک میں کسان راج کے قیام کے لئے انجام دیں۔ ان کی رہنمائی میں برصغیر کی کسان تحریک نے انگریزوں کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ کسانوں کی خاطر انہوں نے قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔

اجلاس میں مرحوم کی انقلابی تحریروں اور نغموں کو سراہتے ہوئے ان کی متعدد تصنیفات کا حوالہ دیا گیا جن میں "کسان رت"، "ہیا ہیا" "بہتا دریا" "آرٹ اور سماجی زندگی" اور "اساسی لینن ازم" نمایاں ہیں، اور ان کے صحافیانہ جہاد کو مشعل راہ قرار دیا گیا جو مرحوم نے جاگیرداری اور سامراجی نظام کے خلاف ہفت روزہ "پارس" اور ہفت روزہ "عوامی جمہوریت" کے ذریعے جاری رکھی اور دم آخر تک اپنے نظریات سے منحرف نہیں ہوئے۔

اجلاس میں متفقہ فیصلہ کیا گیا کہ ایس ایس او مرحوم کی جلائی ہوئی شمع حق گوئی کو روشن رکھے گی اور اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گی جب تک ملک سے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ختم نہیں ہو جاتا۔ کہا گیا کہ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ محنت کشوں کا طبقاتی شعور بلند کیا جائے۔ ان میں اتحاد و یگانگت پیدا کی جائے اور ملک میں مزدور کسان راج قائم کرنے کی جدوجہد تیز تر کر دی جائے۔

جوہر آباد

مکانات خالی ہو گئے پولیس نے قبضہ کر لیا

الطاف چغتائی

آج ہم اپنے قارئین کے سامنے اس نوکر شاہی کے سفاکانہ رویہ کا ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں جس نے فرنگی سامراج کی تمام خرابیوں کو اپنا رکھا ہے جس میں ابھی تک قوم کے خادم ہونے کا شعور پیدا نہیں ہو سکا۔ اور جو صرف خود کو حاکم سمجھتی ہے اور جو عوام سے اپنا وہی رشتہ سمجھتی ہے جو آقا کا غلام سے ہوتا ہے یا بلی کا چوہے سے ہوتا ہے اس نوکر شاہی کا رویہ اس ملک پر ایک سو برس تک حکمرانی کرنے والے انگریز حکمرانوں جیسا ہے جو برِصغیر کے سلسلے میں ہر فیصلہ انتظامی نقطۂ نظر سے کرتا تھا۔

۳۰ جولائی کی دوپہر کو محکمہ ہاؤسنگ جوہر آباد کے کلرک صاحبان اپنے ڈی۔ ایچ۔ او کی معیت میں ڈنڈوں سے مسلح ایس ٹائپ کے سامنے کھڑے تھے اُن کے ساتھ پولیس کے کچھ سپاہی اور ایک تھانیدار بھی اسلحہ سمیت تشریف لا چکے تھے۔ اہلِ محلہ انتہائی حیران اور سہمے ہوئے یہ دیکھ رہے تھے کہ آخر آتنی پولیس اور محکمہ ہاؤسنگ کے ناخدا کس لئے آتے ہیں۔

بالآخر محکمہ ہاؤسنگ کے کلرکوں نے جو اپنے ساتھ پولیس کو کھڑا دیکھ کر خود کو پولیس آفیسر سمجھ رہے تھے اپنے خوفناک ڈرامے کا آغاز کر دیا۔ جو اگر کسی اور شہر میں ہوتا تو شاید اب تک طوفان اٹھ چکا ہوتا۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایس ٹائپ میں آباد لوگوں کو ان کے بال بچوں کو سامان سمیت نکال کر مکان خالی کرنے کا حکم دیا۔ غریب لوگوں نے منت سماجت کی کہ انہیں چند یوم کی مہلت دی جائے کیونکہ قبل ازیں ان کو کوئی نوٹس موصول نہیں ہوا تھا اور وہ سالہا سال سے محکمہ ہاؤسنگ کے کرایہ دار تھے۔ غریبوں کی آہ و بکا کے باوجود ڈی ایس پی نما ڈی۔ ایچ۔ او نے کہا کہ میں چند منٹ میں مکان خالی دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارا محکمہ یہ مکانات پولیس کو فروخت کر چکا ہے اور پولیس قبضہ لینے کے لئے ہمارے ساتھ ہے۔

اسی اثنا میں محکمہ کے اہلکاروں نے مکانوں میں سے سامان نکال کر باہر پھینکنا شروع کر دیا اور سامان کا کھلے آسمان کے نیچے ڈھیر لگا دیا گیا۔ بال بچوں کو ایسے دھکے دے کر نکالا گیا کہ شاید یہودی بھی ایسا ظلم نہ کرتے جن لوگوں کو اس ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے ان میں گریڈ ۱۶ کا ایک پرائمری ٹیچر میاں محمد بھٹی بھی ہے جس کی بیوی حاملہ ہے اور سخت بیمار تھی۔ ظالموں نے اس صورت حال کو بھی اپنی متکبرانہ کارروائی میں ملحوظِ خاطر نہ رکھا اور خاوند کی غیر موجودگی میں اُس عورت کی بے حرمتی کی اور اُسے دھکے مار کر بر سرِ عام بٹھا دیا۔ جن لوگوں نے اس بہیمانہ کارروائی پر احتجاج کیا۔ ان کو گرفتار کرانے کی دھمکیاں دی گئیں اور کہا گیا کہ گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔

مکانات خالی ہو گئے، پولیس نے قبضہ کر لیا، عورتوں کو بے عزت کر لیا گیا، غریبوں کو اُن کی غربت کی سزا دے دی گئی۔ پردیسی ملازموں کے سامان کو توڑ پھوڑ کر اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا گیا۔ لیکن اسسٹنٹ کمشنر سے لے کر حکومت کے اعلیٰ حکام تک نے کوئی موثر نوٹس نہیں لیا۔ جس کی وجہ سے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام کارروائی عبوری حکومت کا کارنامہ ہے۔

اگر عوام کا یہ خیال غلط ہے تو محکمہ ہاؤسنگ کے قابلِ احترام بیلیف نمائندوں اور بغیر کسی وارنٹ کے پولیس کا سپاہی بننے والے کلرکوں کو اس ظلم کی عبرتناک سزا دی جائے تاکہ عوام سمجھ سکیں کہ حکومت کی نظروں میں سوار اخان ہو یا سوار خان، قانون سے بالاتر نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ سوار اخان محکمہ ہاؤسنگ جوہر آباد کے کلرک ہیں جن کو ایک مکان میں آباد کرنے کے لئے ایک حاملہ عورت کو مارا پیٹا گیا بے عزت کیا گیا اور سامان کو توڑا پھوڑا گیا۔

غیر جمہوری اقدام کو برداشت نہیں کیا جائیگا

سیاسی سوچ کو طاقت سے ختم نہیں کیا جا سکتا

پختون

اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی صدر جناب اورنگ زیب کاسی نے ۳۱ جولائی ۱۹۷۸ء کو کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان میں بیوروکریسی مقامی طلبہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے جس سے وہاں غیر بلوچستانیوں کے خلاف سخت نفرت پھیل رہی ہے۔

انہوں نے تنظیم کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس نے طلبہ کے حقوق کے لئے خصوصاً اور محنت کش طبقے کے لئے عموماً کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ فیڈریشن طلبہ کی وہ تنظیم ہے جس نے چاروں صوبوں میں یونینوں کے انتخابات میں مثالی کامیابی حاصل کی ہے اور اس کی کامیابی سے سامراجیت کے دلال پریشان ہیں۔ ان کے ایجنٹوں کو تنظیم سے بروقت نکال دیا گیا ہے۔

جناب اورنگ زیب کاسی نے کہا کہ عوام نے قربانیاں چہروں کی تبدیلی کے لئے نہیں بلکہ نظام حکومت اور معیشت کی تبدیلی کے لئے دی تھیں۔ عوام کے حقیقی نمائندوں کو حکومت میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ گواہ ہے کہ ہماری سیاسی سوچ کو طاقت کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس کہ تاریخ سے کوئی سبق نہیں لیا گیا۔ ماضی کی غلطیوں سے سبق نہ لینا ملک کو مزید حادثات سے دوچار کرنا ہے۔ آج مظلوم قومیتیں بڑی سنجیدگی سے محلاتی سازشوں کا جائزہ لے رہی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جب تک ان بنیادی مسائل کا حل تلاش نہیں کیا جائے گا جو تیس برسوں سے حل طلب ہیں محض کھوکھلے نعروں اور چہروں کی تبدیلی سے کچھ نہیں بنے گا۔ حقیقت پسندانہ اور ترقی پسند نظریات کو اپنانا ہوگا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ مارشل لاء جلد از جلد اٹھا لیا جائے اور انتخابات کی تاریخ کا فی الفور اعلان کیا جائے۔ سیاسی آزادی بحال کی جائے۔ عوام کی سیاسی سوچ اور رائے کا احترام کیا جائے۔ اور قبائل کو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حق دیا جائے اور

جداگانہ طریق انتخابات کو ختم کردیا جائے۔ معاشی ناہمواری کے خاتمے کے لئے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا جائے اور ملکی معیشت کو سائنسی خطوط پر استوار کیا جائے تاکہ سماجی انصاف پہ مبنی معاشرہ تشکیل پا سکے۔ ملک کو سامراجی فوجی معاہدوں اور سنٹو سے الگ کرکے آزادانہ خارجہ پالیسی کی راہ پر گامزن کرایا جائے۔ موجودہ فرسودہ نظام تعلیم ختم کیا جائے۔!

جناب کاسی نے کہا کہ فیڈریشن کی مرکزی پالیسی ۵ جولائی ۷۷ء سے غیر متحرک تھی لیکن حکومت کے قول و فعل میں تضاد ہونے سے اور آزادانہ و غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کے بجائے غیر جمہوری راہ اختیار کرنے سے ہمیں اپنی مرکزی پالیسی کو حرکت میں لانا ہوگا۔ اب کسی بھی غیر جمہوری اقدام کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ فیڈریشن جو قوم پرست ترقی پسند نظریات کی بنیاد پر جدوجہد کرتی چلی آرہی ہے۔ عوام دوست، قوم پرست اور ترقی پسند طلبہ تنظیموں کو استعماریت اور سامراجیت کے خلاف اپنا شریکِ سفر سمجھے گی۔

ملک میں سیاسی پارٹیوں کے متعلق انہوں نے کہا کہ فیڈریشن نے ہمیشہ ان طاقتوں کا ساتھ دیا ہے جن کا پروگرام فیڈریشن کے پروگرام سے مطابقت رکھتا ہو۔ اور جو اصولوں پر سودے بازی کئے بغیر حقیقی معنوں میں عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتی ہوں۔ انہوں نے ان مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے رویئے پر سخت اظہارِ افسوس کیا۔ جنہوں نے گذشتہ دنوں افغانستان میں رونما ہونے والے انقلاب کو غلط انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ ایسے عوام دوست انقلاب سرزمینِ عرب اور دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی آچکے ہیں۔ جہاں سیاسی، سماجی اور اقتصادی میدانوں میں انقلابی تبدیلیوں نے عوام کو بھوک، افلاس، جہالت، ناخواندگی اور سامراجیت سے نجات دلا دی ہے۔

۔ دوسری بات یہ ہے کہ عام معافی کے معاملے میں قیدیوں سے عموماً امتیازی سلوک کیا جاتا ہے یعنی دوسرے اخلاقی جرائم مثلاً اسمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ، اغوا، زنا بالجبر، چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ کے قیدیوں کو معافی دی جاتی ہے اور ان کی سزا میں تخفیف کی جاتی ہے، جب کہ قتل کے مجرم قیدیوں سے کوئی رعایت برتی نہیں جاتی ہے۔ حالانکہ قتل کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں اور ضروری نہیں ہے کہ قتل کا مرتکب ہونے والا شخص ایک عادی مجرم ہو، بے شمار قتل خاندانی جھگڑوں یا اپنی عزت و ناموس کی بنا پر قطعاً غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ وقتی اشتعال بھی ایک قانون کا احترام کرنے والے شخص کو اس جرم پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب مستقل سماج دشمن عناصر اور عادی مجرموں کو رعایت دی جاسکتی ہے تو ایک قاتل سے، جس کا ماضی بے داغ رہا ہے۔ امتیازی سلوک نہیں کیا جانا چاہیئے اور اس کے معاملے کو بھی انسانی ہمدردی کے پہلو سے دیکھنا چاہیئے جیسا کہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

موجودہ حکومت چونکہ اسلامی نکتہ نظر سے حق و انصاف کی علمبردار اور مومن صفت ہونے کی داعی ہے، اسے چاہیئے کہ قیدیوں کی اس قسم کو بھی وہی مراعات دے جو دوسرے قیدیوں کو دی جاتی ہیں اور اس ضمن میں کسی صوبے سے امتیاز نہ برتا جائے جیسا کہ سندھ کے ساتھ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔

بقیہ: بنک ملازمین

خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور انہیں مجبوراً ۴۸ گھنٹے کے اندر مذاکرات کرنے کا نوٹس ختم ہونے پر ۱۳ اگست کو فیصلے کے مطابق صبح ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک ایک گھنٹے کی علامتی ہڑتال کرنا پڑی اور اس کے نتیجے میں جو صورتحال ہے اور آئندہ ہونے والی ہے اس سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مارشل لا کابینہ میں سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور بیوروکریسی کے نمائندے ایک طرف تو محنت کشوں کا گلا گھونٹے رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف ان کی مارشل لا حکومت سے مفاہمت کو ہر قیمت پر روکنا چاہتے ہیں تاکہ محنت کشوں پہ عائد کردہ یہ الزام درست ثابت ہو کہ وہ ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلانا چاہتے ہیں اور سیاسی پارٹیوں کے یا غیر ملکی ایجنٹ ہیں۔ یہی کچھ انہوں نے صحافیوں کے معاملے میں کیا ہے اور یہی بنک ملازمین کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔

رہا کر دیئے جانیوالے

قیدیوں کو بھگوڑا قرار دیکر پھر پکڑ لیا گیا

عبدالرزاق سومرو

عموماً عمر قید یا چودہ سال کی سزا کاٹنے والے مجرموں کی خاص خاص موقعوں پہ سزا میں تخفیف کردی جاتی ہے جس کی وجہ بالعموم ان کی دورانِ قید نیک چلنی ہوتی ہے یا کوئی اور وجہ اسی بنا پر سابق صوبائی وزیر عبدالوحید کٹپر نے اپنے دورے میں بدین اور پن جیل کے بعض قیدیوں کو عمدہ کارکردگی اور جیل کے عملے سے تعاون کی بنا پر معافی دے کر رہا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس عام معافی کے پسِ پشت کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا۔ کیونکہ یہ عام اخلاقی قیدی تھے جن کا سیاست سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

لیکن نوکرشاہی نے ان قیدیوں کی رہائی کے بعد ایسا چکر چلایا کہ انہیں بھگوڑا قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ گرفتاری عمل میں آئی ساتھ ہی نوکرشاہی نے حکومت سندھ سے ایک قانون منظور کرا لیا کہ قتل کے مجرم کو مزید سزائے قید کاٹنی پڑے گی۔ اس قانون کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سینکڑوں قیدی اپنی چودہ سالہ میعاد پوری کر لینے کے بعد بھی بدستور جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

ان قیدیوں میں جو صاحبِ حیثیت تھے یا اثر رسوخ رکھتے تھے، انہوں نے حکومت کے اس فیصلے کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں رٹ دائر کردی تھی، جس کا فیصلہ کوئی سال بھر بعد ہوا اور وہ مکمل طور پر آزاد قرار دیئے گئے لیکن جو غریب ہوتے یا اثر و رسوخ نہ رکھنے کی بنا پر رٹ کی درخواست دائر نہ کر سکے، وہ جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

تان... کہاں جا کر ٹوٹی

فاروق ابڑو

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "عزت و ذلت میرے ہاتھ میں ہے" لیکن خدا کے بندوں نے عزت کو مرہونِ لذت بنانے کے لئے عجیب و غریب، مضحکہ خیز اور ٹیڑھے میڑھے راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ بقول ان بندوں کے "عزت نہیں تو کچھ بھی نہیں" چنانچہ حصولِ عزت کے چکر میں بہت سے بے عزت ہوئے اور بہت سوں نے بے غیرتی کا پیرہن پہن لینے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کیا۔ ہمارے محلے کے ایک میراثی نے جب خود کو سادات سے منسوب کرایا تو ہمیں "عزتِ سادات" بھی خطرے میں گھری نظر آنے لگی۔ اس سہ حرفی لفظ کی خاطر لوگ خود کو ایک عذاب میں مبتلا کر چکے ہیں۔ کیوں کہ عزت کا احساس ایک بہت بڑا روگ ہے اور اس روگ کا حامل ہمیشہ روگی رہتا ہے۔ فی زمانہ عزت مند شاید وہی ہے جس کے پاس کار، کیش، کڑی یعنی میم صاحب، کوٹھی اور کاروبار ہے۔ چاہے ایسے عزت مندوں کے قول و فعل، کردار و گفتار سراسر بے غیرتی والے کیوں نہ ہوں۔ بہت سے لوگ خود ساختہ عزت مند بننے کی خاطر وہ سب کچھ کر گذرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جس سے غیرت سے بے غیرت شخص اور شیطان کی شیطنیت بھی شرمسار ہو جاتی ہے۔ وہ نام و نمود والی عزت کیلئے جائز و ناجائز دولت حاصل کرنے میں دن رات ایک کر دیتے ہیں چاہے اس کے لئے انہیں گڑے مردوں کے کفن اتارنے، سرکارِ نامدار کی دلالی کرنے، افسر شاہی کی خوشامد اور بڑے بڑوں کی جوتیاں ہی کیوں نہ صاف کرنی پڑیں۔ جب دولت آ جائے تو پھر یہ لوگ بڑے بن بیٹھتے ہیں" اور خواہش رکھتے ہیں کہ معاشرے کے "بڑے لوگ" انہیں بھی اپنی ہمعصری بخشیں۔ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی خاطر ایسے نام نہاد عزت مند بڑے بڑے لوگوں، سرکاری افسروں اور اہلکاروں کی تر نوالہ دعوتیں کرتے نظر آتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ خود پینے پلانے کے شغل سے دور ہونے کے باوجود زمانہ سازی اور اپنے مخصوص مفادات کی خاطر رندوں کے لئے مے نوشی کی محفلیں سجانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

غرض کہ ان کی ساری ذہانت اپنے سے بڑے لوگوں اور با اختیار سرکاری اہل کاروں میں رسائی حاصل کرنے تک محدود رہتی ہے۔ ایسے عزت مند لوگ نو دولتیے بن جانے کے بعد اپنے والد تک کو نوکر یا چپڑاسی کی حیثیت سے متعارف کرانے اور اپنی ولادت تک کو مشکوک بنانے سے نہیں چوکتے۔ حتیٰ کہ برابر کے حقیر لوگوں سے بات کرنا بھی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اسی قلبی کوفت اور ذہنی اذیت سے چھٹکارہ پانے کے لئے یہ اپنے سے چھوٹے لوگوں کے ساتھ انتہائی گھٹیا سلوک روا رکھتے ہوئے ہر وقت ان پر گرجتے برستے رہتے ہیں جب کہ اپنے سے بڑوں کے آگے اپنی فلاح اور اپنے تحفظ کی خاطر جی حضوری میں ہونے والی ہر بے عزتی کو اگلے کی زندہ دلی قرار دے کر اس پر فخر کرنے لگتے ہیں۔ ان لوگوں کا دراصل یہ ایمان ہوتا ہے کہ بڑے آدمیوں اور با اختیار شخصیتوں سے تعلقات کی وجہ سے ان کی عزت بنی رہے گی۔ جب کہ باعزت لوگوں کو حصولِ عزت کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا اور وہ ہمیشہ باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مگن رہتے ہیں۔ لیکن یہ نام نہاد عزت دار اپنی مصنوعی عزت کے بارے اپنے غریب عزیزوں اور رشتہ داروں تک سے ملنا تو درکنار انہیں پہچاننے سے منکر ہو جاتے ہیں کہ مبادا اس سے ان کا خاندانی بھرم نہ کھل جائے۔ لگائی بجھائی اور موقعہ ملتے پر بچھو کی طرح ڈنگ مارنے میں بھی یہ لوگ دیر نہیں کرتے۔ یہ انتہائی خود غرض اور موقع کی تاڑ میں رہتے والے ہوتے ہیں۔ بناوٹی عزت کی خاطر اپنے محسنوں تک کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں مجرمانہ طور طریقے اور جائز و ناجائز میں ماہر ہونے کے باوجود خود کو مظلوم بنا کر پیش کرتے اور منافقانہ رویہ کے ذریعے دوسروں کو اپنے تابع بنانے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ تاہم اپنی ضمیر فروشی، بے غیرتی، بے حسی اور مجرمانہ حرکتوں سے خائف بھی رہتے ہیں۔ گویا ایسے بھنور میں پھنس جاتے ہیں کہ اونچی اڑان سے اپنے پیر تڑوا بیٹھتے ہیں اور نیچے یعنی اپنی اصلی سطح پر واپس آنے پر انہیں شدید اذیتوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ یہ بے ضمیر نہیں کر پاتے ایسے لوگ اگر ترقی کے لئے مزید سوچتے ہوں تو وہ مزید ٹیڑھے راستے اختیار کرنے لگ جاتے ہیں اور ہماری نگاہ میں جو سب سے ٹیڑھا راستہ ہے، وہ لیڈری کا ہے کیوں کہ ایک تو اس سے زیادہ عزت کسی اور میدان میں ہے ہی نہیں (واضح ہو کہ لیڈری کوئی سی کیوں نہ ہو) دوسرے اونٹ کے بعد لیڈر ہی وہ مخلوق ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہوتی۔ یوں بھی عزت حاصل کرنے والے خوشامد، جی حضوری اور اکڑفوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ بہت بڑا عزت دار لوگوں کی خوشامد اور مکھن بازی کو اپنی ترقی و عروج کا زینہ اوّل تصور کرتے ہوئے بامِ ترقی پر پہنچنے کے لئے زندگی بھر اپنے آپ کو عزت داروں کی نظروں میں گراتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بڑوں کی تو ہر زیادتی اور خوشامد برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے برابر والوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور اپنے سے چھوٹے خدا کے بندوں کے ساتھ ہمیشہ منہ ٹیڑھا کر کے انہیں جھاڑ پلاتے ہیں اور ان پر اپنا رعب جمانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور ان ٹیڑھے میڑھے لیڈر قسم کے لوگوں میں ہماری ایک ملکی رہنما بیگم نسیم ولی خان بھی ہیں۔ تحریک کے دوران ڈرامائی انداز اختیار کرنے اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے آگے محدود قوم پرستی کا پرچار کر کے کالی چادر پھینک دینے کے بعد وہ عزت دار تو بن گئیں اور قومی اتحاد نے انہیں جتوا بھی دیا۔ لیکن برا ہو اس لاحاصل عزت کا کہ اس کا بھانڈا بھی پھوٹا تو دیارِ غیر میں جا کر یعنی برطانیہ میں جو کبھی ہمارے اور بیگم صاحبہ کے آقا کہلاتے تھے اور جنہوں نے دو سو برس تک ہمیں اپنی غلامی کے طوق میں جکڑے رکھا تاکہ ان کی عزت بھی برقرار رہ سکے۔ بی بی سی اور اخبارات سے بیگم نسیم کے چوری اور برطانوی عدالت سے پانچ ہزار روپے جرمانے اور اقراری بیان کے نشریہ کے بعد پاکستانی ایک انتہائی شرمناک قومی المیہ کا شکار ہو گئے ہیں کہ ایسی بھی کیا افتاد پڑی تھی کہ اپنی اور خاندانی لیڈری کو بھی خاک میں ملا دیا تو ملک و قوم کو بھی عالمی برادری میں رسوا کر کے رکھ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ بیگم صاحبہ نے یہ سوچ کر وہ چیز اڑالی ہو کہ چلو اپنے ہی آقا تھے کچھ تو پاس رکھیں گے۔ لیکن برا ہو اس کچھ کا کہ اپنے طور حاصل کی ہوئی عزت کو باری تعالیٰ نے ذلت میں بدل دیا۔ یہ ذلت اگر بیگم صاحبہ اور ان کے خاندان کے مقدر میں ہوتی تو ہم کچھ بھی نہ کہتے لیکن چونکہ بیگم صاحبہ اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد خود کو اس وطن کا قومی لیڈر قرار دیتے ہیں تو ہمارے لئے یہ خبر ایک شرمناک قومی المیے سے کم نہیں اور شاید ہی اس کی تلافی ہو سکے۔

WEEKLY PERBHAAT

مجاہدینِ صحافت کو فوجی عدالت سے قیدِ بامشقت کی سزائیں